Indo-Pak war

آرہ

# پاک
# بھارت
# جنگ

چند اہم پہلو

# پاک بھارت جنگ

## چند اہم پہلو

جنگ میں پاکستانی عوام کا حصہ،

سیاسی جماعتوں اور مذہبی رہنماؤں کا باہمی تعاون،

خواتین کی خدمات، کاروباری حلقوں کی کارگزاری

لاہور اور سیالکوٹ

ادارہ مطبوعات پاکستان۔ کراچی

پچھلی صدی (۱۸۵۷ء) میں جنگ آزادی ہوئی تھی۔ اسے بعض لوگوں نے "رستخیز بے جا" قرار دیا تھا۔ جو یقیناً بجا نہ تھا۔

اب موجودہ صدی میں بھارت نے اعلان کے بغیر ایک جنگ پاکستان پر مسلط کی ہے جسے "رستخیز بے جا" قرار دینا یقیناً بجا ہے۔

اس جنگ کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں سے بعض خصوصی نوعیت کے حامل ہیں اور ان پر قبل ازیں ہماری متعدد مطبوعات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن ایک پہلو ایسا ہے جو ہم سب کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کہ اس جنگ میں عوام نے کیا حصہ لیا، خواہ وہ افراد ہوں یا جماعتیں، اس موضوع کا حق عوام کے وہ نمائندے ہی ادا کر سکتے تھے جو قلم سے ان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ مجموعہ ایسے ہی مضامین پر مشتمل ہے۔

"پاکستان جاگ اٹھا ہے" نامور مدیر و صحافی، شاہد احمد دہلوی کے قلم سے ہے۔ "محاذ پر، محاذ سے دور" جس میں اُن عوام کی کارگزاری بیان کی گئی ہے جو محاذ پر نہ ہوتے ہوئے بھی محاذ پر تھے۔ روزنامہ "مارننگ نیوز" کے مدیر جناب محسن علی کے انگریزی میں لکھے ہوئے مضمون کا اُردو مرقع ہے۔ اسی طرح "ایک قوم، ایک ملک" جنگ کے دوران ہمارے

مکمل اتحاد و یک جہتی کا آئینہ دار، ایک اور ممتاز صحافی، جناب زوار حسین کے انگریزی مضمون کا آزاد ترجمہ ہے۔ کاروباری حلقوں نے جو غیر معمولی اخلاقی مظاہرہ کیا ہے اس کی کیفیت جناب طفیل احمد خاں نے بیان کی ہے جو "فیڈریشن آف پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری" کے سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے "محرم راز درون میخانہ" تھے۔ ان کی پیش کش بھی انگریزی میں تھی جسے دوسرے دو مضامین کی طرح اردو اور بنگلہ میں منتقل کیا گیا ہے۔ خواتین کی نمائندگی ایک فاضل خاتون، محترمہ ڈاکٹر بیگم رحمانی نے اردو ہی میں کی ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی، جو درحقیقت پہلی کڑی ہے "دو شہر، ایک داستان" لاہور اور سیالکوٹ میں ہماری مسلح افواج اور عوام کی وہ حیرت انگیز کارگذاری ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اس داستان کے لئے "خدا کی بستی" کے مصنف شوکت صدیقی ہی کا قلم موزوں تھا۔ ان میں سے اکثر حضرات نے ہمارے ساتھ براہ راست بھی اور پاکستان رائٹرز گلڈ کے توسط سے بھی تعاون کیا۔ یہ خواص ہی درحقیقت عوام ہیں اور ہمیں امید ہے کہ عوام کی یہ کہانی عوام ہی کی زبانی دلچسپی سے سنی جائے گی۔

رفیق خاور

# پاکستان

# جاگ اُٹھا ہے

شاہد احمد دہلوی

جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے۔ بھارت کی جو شامت آئی، اس نے پاکستان کا رُخ کیا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ جیسے ماناودر، جوناگڑھ، حیدرآباد اور گوا کو ایک ہی ہلے میں ہڑپ کر لیا، پاکستان کو بھی جب چاہے گا چٹ کر جائے گا۔ اس کے منہ کو خون لگ چکا تھا۔ اٹھارہ سال سے بے بس اقلیتیں بھارتی اژدہے کا نرم چارہ بنتی چلی آ رہی تھیں۔ بس اسی دھوکے میں اس نے پاکستان پر بھی منہ مارا۔ مگر یہاں تو لوہے کے کانٹے لگ گئے اور بھارتی اژدہا پیچ پیچ کر دم توڑنے لگا۔ اب نہ نگلے بن پڑتی ہے اور نہ اگلے بن پڑتی ہے۔ نگلے تو اندھا، اگلے تو کوڑھی۔ اژدہے کے حمایتیوں کو اس کی خبر نہ تھی کہ اس پر یہ بپتا پڑے گی۔ انہوں نے اسے خوب کھلا پلا کر تیار کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ یہ اژدہا بلائے بے درماں ثابت ہوگا۔ مگر یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے، بلکہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حمایتیوں نے جو اژدہے کو یوں مرتے دیکھا تو سب میں کھلبلی مچ گئی۔ تو چل، میں چل، بھاگیو، دوڑیو! دین والوں نے اژدہے کو مار لیا

اسے کیا مار لیا ہم سب کو مار لیا ۔ اب کیا کیا جائے؟ اژدہا تو پورس کا ہاتھی نکلا! سر جوڑے گئے، مشورے ہوئے اور یہی حمایتی بیچ بچاؤ کرنے والے بن گئے۔

کھسیانی بلی کھمبا نوچے! جگاڑا تھا کشمیر اور بھارت کا اور بھارتی فوجیں چڑھ دوڑیں پاکستان پر۔ سترہ سال تک پچاس لاکھ کشمیریوں نے بھارت کے جبر و تشدد کو اس امید پر انگیز کیا شاید ساری دنیا کے قائل معقول کرنے پر بھارت کو اب بھی عقل آجائے۔ مگر جب ظلم و نا انصافی کے دبیز پردے آنکھوں پر پڑ جائیں تو عقل غائب ہو جاتی ہے اور ڈھٹائی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ بھارت نے کشمیریوں کے جذبۂ آزادی کو اپنی فوجی طاقت سے کچلنا چاہا انہیں قید و بند کی اذیتوں میں مبتلا کیا، ان پر لاٹھیاں برسائیں، ان پر گولیاں چلائیں، ان کی بستیاں جلا ڈالیں۔ ان کی عورتوں کی بے عزتی کی۔ ان کی درگاہوں کی بے حرمتی کی۔ مگر کشمیریوں کی روح آزادی تو ہاتھ سے توانا ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ کشمیری عوام نے اپنی گلو خلاصی کے لئے خود ہی جہادِ آزادی شروع کر دیا۔

پاکستان ہر ملک اور ہر قوم کے لیے حق خود اختیاری کی حمایت کرتا رہا ہے۔ اہل کشمیر کو بھی پاکستان کی حمایت حاصل رہی، اور چونکہ یہ حمایت وکالت کی حد کو پہنچ گئی تھی۔ اس لئے بھارت نے اعلان کر دیا کہ پاکستان بھارت کا دشمن نمبر ایک ہے۔ بھارت تاک میں لگ گیا تھا کہ موقع ملتے ہی پاکستان کو بھی دبا ڈالے۔ اب جو مجاہدین کشمیر سے بھارت نے پے در پے شکستیں کھانی شروع کر دیں اور کشمیر کو اپنے پنجۂ استبداد سے نکلتے دیکھا تو اپنی شکستوں کی جھونجھ اور طاقت کے گھمنڈ میں پاکستان پر جھپٹ پڑا۔ پاکستان کو بھارت نے تر نوالہ سمجھا تھا مگر اس حملے میں خود لقمۂ اجل بن گیا۔ خس کم جہاں پاک!

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو بیچ میں آ گیا۔ ہاں تو ہوا یہ کہ بھارتی سورماؤں کے کمانڈر

جنرل چوہدری صاحب نے لاہور پر یہ سمجھ کر حملہ کیا تھا کہ شام کو لاہور کے جیمخانے میں
ناد نوش کی محفل گرم کریں گے ۔ لاہور کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلیں گے ۔ مگر ان کا
یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا ۔ صبح سے شام ہوگئی مگر وہ پیش قدمی نہیں کر سکے ۔ ان کی آہنی
دیوار کے پرخچے اڑ گئے ۔ ادھر تو ان کی فوجوں کے پرزے اڑ رہے تھے، اُدھر شاستری جی اپنی
پارلیمنٹ میں اپنی فتح کے گھمنڈ میں فرما رہے تھے کہ "ابھی تھوڑی دیر میں آپ ایک بہت بڑی
خوش خبری سنیں گے ۔" چوہدری کی طرح انہیں بھی یقین تھا کہ لاہور چند گھنٹوں میں فتح ہو جائے
گا ۔ انہوں نے کوئی اعلان جنگ نہیں کیا تھا، لہٰذا وہ سمجھ رہے تھے کہ پاکستان بے خبر ہوگا ۔ رات
کے تین بجے حملہ اس لیے کیا گیا کہ پاکستانی سو رہے ہوں گے، کوئی مزاحمت نہیں ہوگی ۔
چپ چپاتے لاہور پر قبضہ ہو جائے گا ۔ بس یہی خوش خبری سنانے کا وعدہ انہوں نے
پارلیمنٹ میں کیا تھا ۔ مگر پاکستانی بھارتیوں کی ذہنیت خوب سمجھتے ہیں ۔ انہیں یقین
تھا کہ بھارت کوئی نہ کوئی ایسی گھٹیا چال ضرور چلے گا جو تمام اخلاقی اصولوں کے خلاف
ہوگی ۔ تازہ ترین واقعہ کشمیر کا تھا کہ جنگ بندی لائن عبور کر کے اس نے آزاد کشمیر کے علاقہ
کی تین متروکہ چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا ۔ اس سے پہلے رن کچھ میں بھی چپکے سے متنازعہ علاقے
میں اپنی فوجیں داخل کر دی تھیں ۔ بھلا ایسے بے اصولے اور کمینے دشمن کی طرف سے پاکستان
کیسے غافل رہ سکتا تھا، تین مہینے سے پاکستانی فوجیں اپنے ہر محاذ پر ہوشیار و تیار کھڑی تھیں ۔
شاستری جی نے دھمکی جو دے رکھی تھی کہ ہم اپنے پسند کا محاذ کھولیں گے ۔ مگر شاید بھارت کے
نیتاؤں کا حافظہ کمزور ہے، وہ بھول گئے کہ انہوں نے کیا دھمکی دے رکھی ہے ۔ پاکستان انکی دھمکی
سن کر چوکنا ہو گیا تھا ۔ اب جو انہوں نے لاہور پر حملہ کیا اور حملہ تین طرف سے، تو پاکستانیوں نے
انہیں چور رنگ کر دیا ۔ اور شاستری جی اپنی پارلیمنٹ کو مژدہ سنانے کا انتظار ہی کرتے رہ

گئے۔ مگر قربان جائیے ان کے اس یقین واثق کے کہ لندن کی نشرگاہ بی بی سی سے رات کو اعلان کرا دیا کہ لاہور بھارتی افواج کے قبضے میں ہے۔ خبر دینے کے اگلے نشریے میں بی بی سی کو نہایت شرمندگی کے ساتھ اعلان کرنا پڑا کہ یہ خبر غلط ہے اور بھارتی فوجیں لاہور سے میلوں دور جھک مار رہی ہیں۔ اور بحمد اللہ تا فائر بندی تک جھک ہی مارتی رہیں۔ اور جہاں تک آگے بڑھ آئی تھیں وہاں سے میلوں دور انہیں پیچھے ہٹا دیا گیا، بلکہ بعض محاذوں پر ہماری افواج قاہرہ بھارتی سرحدوں کو پار کر کے سو دو سو سترہ میل بھارتی علاقے پر قابض ہو گئیں اور قابض رہیں۔ یقیناً شاستری جی نے اس پر غور نہیں کیا تھا کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ اب بھارتی سورماؤں کا ایک لطیفہ بھی سن لیجئے:-

لاہور کے ایک محاذ پر زور مار کر انہوں نے باٹا پور سے ایک شکستہ بس پر قبضہ کر لیا۔ جب بھارتی فوجیں اس محاذ سے پسپا کی گئیں تو اپنے ساتھ اس بس کو بھی لیتی گئیں۔ تو صاحب اندھے کے ہاتھ بٹیر لگ گئی۔ اس بس کا ایک زبردست جلوس امرتسر میں نکالا گیا۔ اس کی فلمیں بنا کر بھارت کے سینما گھروں میں دکھائی گئیں۔ اس بس کی نمائش ٹیلی ویژن پر بھی کی گئی۔ اس کے گانے بنائے گئے۔ جشن منانے بھی۔ اس سے بڑھ کر ان کی فتح کی اور کیا نشانی ہو سکتی تھی۔ بغلیں بجانے کے لئے کیا ایک ناکارہ بس پاکستانی علاقے سے کھینچ لے جانا کافی نہیں؟ اس پر تو بھارتی حکومت کو چاہیئے تھا کہ جنرل چوہدری کو "فاتح بس باٹا پور" کا اعزاز دیتی۔ سنتے آئے ہیں کہ بندر کے ہاتھ ہلدی کی گرہ لگ گئی تو پنساری بن بیٹھا تھا تو بیچارے چوہدری کو اس قابلِ فخر اعزاز سے آخر کیوں محروم رکھا گیا؟

جم خانے میں شراب پینے کی حسرت والے چوہدری صاحب نے لاہور کے محاذ پر جب منہ کی کھائی تو شاستری جی پر پارلیمنٹ میں لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ ان سے

پوچھا گیا کہ وہ خوش خبری کہاں ہے جو آپ سنانے والے تھے؟ اور وہ لاہور کیوں فتح نہیں ہوا جسے چند گھنٹوں میں فتح کر لینے کی توقع ہمیں دلائی گئی تھی؟ شاستری جی بغلیں جھانکنے لگے۔ انہیں اپنے نیچے سے وزارتِ عظمیٰ کی کرسی سرکتی محسوس ہونے لگی۔ مگر ہیں پرانے گھاگ۔ پنڈت نہرو کے تربیت یافتہ۔ بڑی ڈھٹائی سے بولے "ہمارا مقصد تو لاہور کو فتح کرنا تھا ہی نہیں۔ ہم تو پاکستانی علاقے میں اس لئے گھسے تھے کہ پاکستانی حملے کو روک دیں۔ ہم نے ان کا حملہ روک دیا۔ ہم تو بچاؤ کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ پسپائی اگر شاندار ہو تو اسے بھی فتح ہی سمجھنا چاہیئے۔ دیکھو، صدر ایوب تو دلی کو فتح کرنے آ رہے تھے۔ کہاں آئے؟ کیا یہ ہماری شاندار کامیابی نہیں ہے؟" اس پژمردہ دلی سے تالیاں بجائی گئیں، اور کچھ آوازیں "شیم شیم" کی بھی سنائی دیں۔ "جھوٹ بولو، فریب دو" بس یہی کامیاب سیاست ہے۔ شاستری جی نے پارلیمنٹ پر یہی منتر مارا۔ حالانکہ صدر ایوب تو کیا ہمارے کسی رہنما نے آج تک یہ نہیں کہا کہ ہم دلی کو فتح کریں گے۔ بھارت کے پردھان منتری کو اور ان کے پارلیمنٹ کے ممبروں کو یہ ادنیٰ سی بات بھی معلوم نہیں کہ ایک ملک، دوسرے کی چپہ بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کر سکتا۔ آج کل کے اس بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تو عقل کے اندھے ہی کر سکتے ہیں۔ کیا بھارت، اتنے جلدی بھول گیا کہ جب اس نے چین کے علاقے میں گھس کر قبضہ کر لیا تھا تو بھارت کو کس قدر ذلت اور جانی و مالی نقصان کے ساتھ اپنی سرحدوں میں واپس آنا پڑا تھا؟ اور کیا بھارت اس حالیہ واقعہ کو بھی فراموش کر بیٹھا کہ جب اس نے آسام کی سرحد پر اپنی چھپن فوجی چوکیاں بنائی تھیں تو چین نے انہیں ڈھا دینے کا الٹی میٹم دے دیا تھا اور وقتِ متعینہ میں بھارت نے ان چوکیوں کو مسمار کر دیا تھا، گو بھارت یہی کہتا رہا کہ ہم نے خود ان چوکیوں کو نہیں ڈھایا گویا یہ بھی ایک فخر کی بات تھی کہ کہے "ہم نے

ایک حماقت کی تھی اور اس حماقت پر قائم رہے"۔ اس منطق کو تو صدر رادھا کرشنن ہی سمجھ سکتے ہیں جو بین الاقوامی منطق ہیں۔ صدر ایوب اور پاکستان کے وزیر خارجہ بار بار کہہ چکے ہیں کہ "ہم نہ تو کسی کی ایک انچ زمین لینا چاہتے ہیں اور نہ اسے گوارا کر سکتے ہیں کہ کوئی ہماری ایک انچ زمین دبائے"۔ یہ پھسلنا اور بڑھنا اور جوتے کھا کر پسپا ہونا بھارت ہی کو مبارک ہو۔ پاکستان ایک چھوٹا سا ملک ہے، بھارت ایک بڑا ملک ہے۔ آبادی میں پاکستان سے چوگنا، رقبے میں چھ گنا اور اسلحہ میں دس گنا۔ بھلا پاکستان بھارت پر حملہ کر سکتا ہے؟۔ ہاں عزت مند پاکستانی یہ کر سکتے ہیں کہ اگر بھارت للچائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھے تو بھارت کی آنکھیں نکال لیں۔ اور پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لیے اگر منہ کھولے تو اس کا منہ توڑ دیں۔ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھارت اب بھی یہی کہے جا رہا ہے کہ حملہ آور پاکستان ہے، بھارت تو اپنا بچاؤ کر رہا ہے۔ اس لئے بھارت نے لاہور پر قبضہ نہیں کیا۔ لومڑی جب اچھل اچھل کر تھک گئی تو یہ کہنے لگی کہ انگور کھٹے ہیں۔ انگور کھٹے ہوں یا نہ ہوں، پاکستان نے بھارت کے دانت تو ہر محاذ پر کھٹے کر ہی دیئے۔ پاکستان پر حملہ بھارت نے آخر کیا کیوں تھا؟ اس کا مقصد، اس کا جذبہ کیا تھا؟ یہی گھمنڈ تھا نہ کہ پاکستان کو بھی مانا ودر، جونا گڑھ حیدر آباد، کشمیر اور گوا کی طرح نگل جائے گا۔ وہی ہوس ملک گیری، اس کے ساتھ ساتھ ۴۵ کروڑ بھارتیوں میں جو پھوٹ پڑ گئی تھی اور بھارت میں جو بغاوت ہر علاقے میں پھیل رہی تھی اسے پاکستان سے جنگ کر کے دبائے۔ پھر اپنی فوجیں بھارت نے اس قدر بڑھالی تھیں کہ بھارت کا سارا غلہ فوجیں کھا گئیں اور ملک میں کال پڑ گیا۔ رعایا بھوکوں مرنے لگی، روزمرہ کی چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ کالے بازار چل اٹھے، ملک کی اقتصادی حالت کا دیوالہ نکل گیا۔ بھوکے کو تو دو روٹیاں چاہئیں۔ اسے لڑائی

بھرائی سے کیا غرض؟ بھوکوں نے غلے کی دکانیں اور منڈیاں لوٹ لیں۔ حکومت نے سارے ہندوستان کا سونا ضبط کر لیا اور ہنڈیاں پکڑا دیں کہ ان کو پہنو، ان کو چاٹو۔ ہم تمہارے سونے سے جدید اسلحہ خریدیں گے۔ تم اگر بھوکے مر رہے ہو تو مر جاؤ، اپنی پٹیاں کس کر باندھو، ایک وقت روٹی کھاؤ، روٹی مت کھاؤ، پیٹ پر پتھر باندھو۔ اب نہ ہمارے پاس غذا ہے اور نہ روپیہ۔ ہم نے سب کچھ فوجوں اور اسلحہ پر لگا دیا ہے، دیکھتے نہیں ہو! ادھر چین منہ پھاڑے کھڑا ہے، ادھر پاکستان حملہ کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ کشمیر میں مجاہدین آزادی تباہی مچا رہے ہیں۔ بھوکو ننگو، سب ایک ہو جاؤ، ورنہ بھارت ورش ختم ہو جائے گا۔ اور جب بھارت ورش ہی نہیں رہے گا تو تم کہاں رہو گے؟ غرض یہ کہ چین اور پاکستان کا ہوا دکھا کر سیاسی حقوق مانگنے والوں کو بھی تھپک دیا اور روٹی مانگنے والوں کو بھی، حالانکہ نہ تو چین سے لڑائی کا کوئی خطرہ تھا اور نہ پاکستان سے۔

چین سے جو بھارت کی ایک جھڑپ ہوئی تھی وہ تو اس لئے ہوئی تھی کہ بھارت نے چین کی سرحدوں میں گھس کر چین کا بہت سا علاقہ دبا لیا تھا۔ جب چین نے اس علاقے کو خالی کرنے کو کہا تو بھارت نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں چین سے ٹکر لے لی۔ چین نے وہ پٹائی کی کہ بھارت چیں چیں کرتا ہوا بھاگا اور اپنی سرحدوں کا بھی بہت سا علاقہ چین کے ساتھ چھوڑ آیا۔ مگر چین نے اپنا علاقہ لینے کے بعد بھارت کا علاقہ اسے واپس دے دیا بلکہ جو فوجی سامان پسپا ہونے میں چھوڑ آیا تھا وہ بھی سارا واپس بھیج دیا۔ یہ کہہ کر کہ اسے اپنے پاس رکھو، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیرات تمہیں کو مبارک ہو۔ بے غیرتی تو دیکھئے کہ سب کچھ قبول کر لیا۔ اس کے بعد بھارت کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ اپنے آقا امریکہ کے چین سے لڑنے کے لئے اسلحہ حاصل کرنے لگا۔

امریکہ کو تو چین سے باپ مارے کا بیر ہے۔ دھڑا دھڑ بھارت کو اسلحہ دینے لگا اس پر پاکستان نے امریکہ سے احتجاج کیا کہ بھارت حاصل کئے ہوئے اسلحہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کرے گا کیونکہ بھارت کہہ چکا ہے کہ پاکستان ہمارا دشمن نمبر ایک ہے مگر امریکہ نے اس آگاہی کو نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ نہیں ایسا نہ ہوگا۔ دراصل امریکہ دل میں پاکستان سے بھی کاوش رکھتا تھا۔ کیونکہ امریکہ کی دو رُخی پالیسی کو صدر ایوبؒ نے تاڑ لیا تھا۔ ان کی نگاہ دور بین نے دیکھ لیا تھا کہ امریکہ پاکستان کو چونکہ اپنے اشاروں پر چلانے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے بھارت کو اپنا پٹھو بنایا تھا اور اس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار دے رہا تھا کہ ایک طرف تو چین سے بھڑ جائے اور دوسری طرف پاکستان کو بھی ڈرائے دھمکائے رکھے۔ پاکستان کو امریکہ نے ہتھیار اور مالی مدد اور قرض دینا بند کر دیا تھا۔ پاکستان پہلے کھلم کھلا امریکہ کے ساتھ تھا اور تمام دفاعی معاہدوں میں امریکہ کا حلیف تھا لیکن امریکہ نے نہایت طوطا چشمی سے پاکستان کو گنوانا شروع کر دیا۔ بھارت نے بظاہر الگ تھلگ رہنے کی پالیسی بنا رکھی تھی مگر در پردہ امریکہ سے سانٹھ گانٹھ کر رکھی تھی۔ پنڈت نہرو ہی کی زندگی میں اس گٹھ جوڑ کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا اور دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ غیر جانبدار بھارت کس مکاری سے امریکہ کی جانبداری کر رہا ہے۔ صدر ایوبؒ نے جب اس گندی سیاست کا بھید پا لیا تو چین سے تعلقات بڑھانے شروع کر دیئے۔ دنیا میں کوئی ملک بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتا۔ ہر ملک اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کا محتاج ہوتا ہے۔

صدر ایوب نے بار بار اعلان کیا کہ امریکہ اپنے پرانے حلیف پاکستان سے روگردانی کر کے بھارت سے جو پینگیں بڑھا رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے رشتے دوسرے

ملکوں سے جوڑ لیں۔ مگر امریکہ نے اس اشتباہ پر کان نہیں دھرا۔ اور جب بھارت کو امریکہ نے سولہ آنے اپنا پھٹو بنا لیا تو پاکستان نے بھی اس میں عافیت سمجھی کہ چین سے دوستی بڑھائے اور ان تمام ملکوں سے اپنے تعلقات استوار کرلے جو جبر و استبداد کے مخالف ہیں اور چین کی پالیسی ہے "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" اور مجبور و مظلوم قوموں کے لیے حق خود اختیاری کی حمایت کرتے ہیں۔ چین سے پاکستان کا رشتہ جوڑنا غضب ہو گیا۔ اگر پاکستان امریکہ ہی کا دست نگر رہتا تو امریکہ خوش رہتا۔ پاکستان نے اس ذلت کو قبول نہیں کیا اور چین سے باعزت سمجھوتہ کر لیا۔ بس یہی پاکستان کا سب سے بڑا قصور رہے ناقابلِ معافی جرم ہے۔

اور وہی ہوا جس کا پاکستان کو اندیشہ تھا اور جسے بار بار پاکستان امریکہ کو اور ساری دنیا کو جتا رہا تھا کہ چین بھارت پر ہرگز حملہ نہیں کرے گا۔ یہ سارا ڈھونگ بھارت نے رچا رکھا ہے تاکہ چین کا نام لے کر امریکہ سے ہر قسم کی مدد حاصل کرتا رہے۔ رن کچھ میں جب بھارت نے متنازعہ علاقے پر قبضہ کر لیا اور پاکستان سے لڑائی کی تو اس علاقے میں تمام وہی ہتھیار پاکستان کے خلاف استعمال کیے جو چین سے لڑنے کے بہانے حاصل کیے تھے۔ ان ہتھیاروں کا بہت بڑا حصہ رن کچھ میں پاکستان کے ہاتھ آیا جب امریکہ کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا تو تحقیق کمیشن بٹھانے کے بہانے ٹال مٹول کر گیا۔ پاکستان کو اب یقین ہو گیا تھا کہ امریکہ بھارت کی طرف داری کر رہا ہے لہٰذا اس سے بھلائی کی کوئی امید وابستہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی اب کھل گئی ہے کہ ۶ ستمبر کو پاکستان پر جو حملہ بھارت نے کیا تھا اس کا منصوبہ رن کچھ کی شکست کے بعد ہی بھارت نے بنا لیا تھا۔ اور یہ بات بھی کھل گئی ہے کہ کس خبط پر یہ حملہ کیا گیا تھا۔ مگر اس حملے کا جو حشر

ہوا اُسے دنیا نے دیکھ لیا۔ دس گنی طاقت والا بھارت سترہ دن تک پاکستان کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے سر ٹکراتا رہا اور سوائے اپنی قسمت پھوڑنے کے اُسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اس کے ہزاروں فوجی مارے گئے، سینکڑوں ٹینک تباہ ہو گئے اور بے اندازہ اسلحہ چھوڑ کر اسے میدان جنگ سے بھاگ جانا پڑا۔ اس محاذ پر ایک بہت بڑی تعداد سکھوں کی بھی کام آگئی۔ سکھوں نے جب سے پنجابی صوبے کا مطالبہ شروع کیا تھا اسی وقت سے بھارت کی ہندو حکومت ان سے بدظن ہو گئی تھی۔ پہلے تو ماسٹر تارا سنگھ نے بھارت کا ناطقہ بند کیا۔ ان کے بعد سنت فتح سنگھ نے مرن برت رکھنے اور آخر میں آگ لگا کر مر جانے کی دھمکی دی۔ مگر مکاری اور چالبازی میں شاستری جی بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ انہوں نے حالات دیکھ کر جھٹ ایک کمیٹی بنا دی جو پنجابی صوبے کے مسئلے پر غور کرنے بیٹھ گئی۔ سنت فتح سنگھ کو بھی مرن برت نہ رکھنے پر رضامند کر لیا اور سکھوں کو بھی سبز باغ دکھانے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اندر خانے یہ کیا کہ لاہور کے محاذ پر زیادہ سے زیادہ سکھوں کو بھیج دیا تاکہ پاکستان سے انہیں کٹوا کر سکھوں کا زور توڑ دیں۔ سکھان کے جانسے میں آگئے اور لاہور کے محاذ پر بہت مارے گئے۔ مگر ان میں سے تین چار سو ایسے بھی تھے جو شاستری کی چال کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے اور پاکستان کے جنگی قیدی بن گئے۔ انہوں نے کہا "ہم کیوں لڑیں؟ ہمارا پاکستان سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ بھارت سے ہمیں کیا ملنا ہے جو ہم بھارت کے لیئے اپنی جان دیں؟ اٹھارہ سال سے بھارت ہمیں دباتا چلا آرہا ہے اور اب بھی پنجابی صوبے پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس میں ایک بھی سکھ نہیں ہے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد بھارت ہمیں ٹکا سا جواب دے دے گا۔ چڑھ جا بیٹا

سولی پر، رام جبل کریں گے؟ کہ ہم قائل نہیں پرائے شگون میں ہم اپنی ناک کیوں کٹوائیں؟

یہ حقیقت ہے کہ بھارت کے فوجیوں کے پاس کوئی محرک جذبہ لڑنے کا نہیں ہے۔ بھارت کے عوام کو پاکستان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں نے وعدہ کیا تھا کہ کشمیر کا فیصلہ رائے شماری سے اقوام متحدہ کی نگرانی میں کیا جائے گا۔ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے؟ بھارت کے عوام محض اس لیے اپنی جان کیوں دیں کہ کشمیر کو بھارت زبردستی اپنے جوتوں تلے روندتا رہے اور پچاس لاکھ کشمیریوں کو ان کے حق خود اختیاری سے محروم رکھے! بھارت کے جو بڑے دانشور ہیں برابر کہتے چلے آ رہے ہیں کہ کشمیر کو آزادی دے دو۔ اب کوئی ملک دوسرے ملک کا غلام نہیں رہ سکتا۔ تمہارے سامنے الجزائر کی حالیہ مثال ہے۔ افریقہ کو دیکھو کہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی ریاست بھی آزادی حاصل کر چکی ہے۔ آزادی ہر ملک اور ہر قوم اور ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔ تم اس حق کو کچھ عرصے کے لیے طاقت سے غصب تو کر سکتے ہو مگر ہمیشہ کے لیے انہیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتے۔ خود تمہاری مثال سامنے ہے برطانیہ جس کی حکومت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، کیا تم نے اس سے آزادی حاصل نہیں کر لی؟ کیا رفتہ رفتہ سب غلام ملکوں نے برطانیہ سے آزادی حاصل نہیں کر لی؟ مگر بھارت کی سمجھ میں یہ قانون فطرت نہیں آتا۔ اور جب آزادی دی نہیں جاتی تو چھین لی جاتی ہے۔ کشمیر اب اٹھ کھڑا ہوا ہے اور آزادی چھین کر ہی دم لے گا۔ پاپ کی ناؤ بھر چکی ہے، یہ تو ڈوبے ہی گی۔

لاہور کے محاذ پر سکھوں کی ایک کمپنی کے تین سو فوجی جوانوں نے بغیر ایک گولی

چلائے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ خبر کوئی اس قسم کی گپ نہیں ہے جو آل انڈیا ریڈیو سے آئے دن ہانک دی جاتی ہیں۔ ان سکھوں کی تصویریں اور بیانات پاکستان کے تقریباً سبھی اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ سب نے یہی بیان دیا کہ ہمیں مسلمانوں سے دشمنی نہیں ہے۔ ہمیں پاکستان سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہے بلکہ ہمیں تو بھارت کے حکمرانوں سے شکایت ہے کہ ہمیں انہوں نے ۴۷ء کے ہنگاموں میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا۔ اور ہم نے ان کے بھتّرے میں آکر مسلمانوں کا قتل عام کیا اور جب ہمارے لیڈروں نے پنجابی صوبے کا مطالبہ پیش کیا تو صاف انکار کر دیا۔ مگر ہماری جد وجہد جاری ہے اور اب جو جنگ چھڑی تو ہم سے کام لینے کے لئے ایک کمیٹی پنجابی صوبے کے قیام کے لیے حکومت نے بنا دی ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب تک جنگ کا اندیشہ ہے ہمارے مطالبے پر غور نہیں کیا جائے گا اور جب جنگ ختم ہو جائے گی تو پھر عواقب جنگ کا حیلہ تراشا جائے گا۔ اور جب یہ حیلہ بھی نہیں رہے گا تو حکومت اپنے وعدے سے پھر جائے گی۔ دیکھ لیجئے کانگریسی حکومت کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا ہے۔ جب مصیبت کا وقت ٹل جاتا ہے تو حکومت بھی اپنے وعدے سے ٹل جاتی ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیوں لڑیں؟ پاکستان نے ہمارا کیا بگاڑا ہے؟ بلکہ پاکستان نے تو ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ ہم کیوں مسلمانوں کی جان لیں اور اپنی جان دیں؟

ان سکھوں نے بڑے پتہ کی بات کہی کہ لڑائی میں اصل چیز ہوتی ہے جذبے کی قوت اور جذبہ جوش اور ولولہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب حق وصداقت کے لئے لڑا جائے۔ جھوٹے اور نقلی محرک میدان جنگ میں پہنچ کر دم توڑ دیتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حق کے لئے لڑنے والے بہت کم تعداد میں ہوتے ہوئے باطل پرستوں کی بہت

بڑی تعداد پر غالب آتے رہے ہیں۔ پاکستان کو اس لئے لڑنا پڑا کہ بھارت نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں میں اپنے وطن کو بچانے کے لئے جوش و خروش پھیل گیا۔ ان کے دلوں میں ایمان نے وہ جذبہ پیدا کر دیا جو کسی سے پیدا نہیں ہو سکتا اور جو حق کے لئے لڑتے ہیں ان میں سے ایک ایک دس دس پر بھاری ہوتا ہے۔ اسے تائید و نصرت غیبی حاصل ہوتی ہے اور اہل ایمان کو یہ بشارت بھی دی جا چکی ہے کہ جہاد میں جو فتح مند ہو گا غازی کہلائے گا اور جو جان بحق ہو گا اسے شہادت کا مرتبہ ملے گا۔ ہمارے ہر فرقے اور ہر خیال کے علماء نے فتوے دے دیئے ہیں کہ یہ لڑائی جہاد ہے، جہاد میں جان دینے کے لئے مجاہد بے قرار رہتا ہے۔ بھلا ایسی قوم کو کون شکست دے سکتا ہے جس کے مجاہد موت سے نہیں ڈرتے بلکہ اسے ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال رحمہ

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اور جب یہ مجاہد اور غازی لاہور کے محاذ پر بے دین، بے عزت، بزدل، مکار، فریبی اور چوروں کی طرح گھس آنے والے دشمن پر ٹوٹ پڑے تو دشمن کے ہوش و حواس کے ساتھ دشمن کے پرزے بھی اڑ گئے۔ یہ بحری اور فضائی لڑائی واقعی ایک اور دس کی لڑائی تھی۔ ہمارے ایک پائلٹ اسلم نے دشمن کے گیارہ طیارے مار گرائے۔ ایک اور پائلٹ یونس نے جب دیکھا کہ اس کے طیارے میں آگ لگ گئی ہے تو اس نے چھتری سے اپنی جان بچانے کے بجائے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ہوائی اڈے پر جہاں بڑے پروانہ جو طیارے کھڑے پر تول رہے تھے ان پر اپنے جلتے ہوئے طیارے سے ٹکر مار کر سب میں آگ لگا دی۔ اور خود بھی جان دے دی۔ میجر امجد نے دشمن کے تین ٹینک سامنے سے آتے دیکھے تو خود

ایک متروکہ توپ سے ان میں سے دو کو ختم کر دیا اور تیسرا ٹینک میجر احمد کو ملتا ہوا چلا گیا۔ میجر بھٹی نے تو کمال کر دیا، اُس نے نیند اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ دن رات دشمن کو پسپا کرنے میں لگا رہا۔ اپنی فوج کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ محاذ پر گولے برستے رہے اور بھٹی نڈر ہو کر دشمن کی صفوں کو تہس نہس کرتا رہا۔ اور ایک دن اسے غالباً الہام ہوا کہ آج شہادت نصیب ہو جائے گی۔ صبح نے حکم دیا کہ آج دن کو گیارہ بجے ایمبولینس ٹینک محاذ پر پہنچ جائے۔ بھٹی غالباً نے نئی وردی پہنی اور محاذ پر جا کر دشمن کو جہنم رسید کرنے لگا۔ گیارہ بجے ایمبولینس ٹینک اس نے دیکھا، گیارہ بج کر پانچ منٹ پر ایک گولہ آ کر لگا اور بھٹی بھی شہید ہو گیا۔ ایک انجینئر رات کے اندھیرے میں دشمن کے چار ٹینک کھینچ لایا۔ اس سے بڑھ کر جان جوکھم کا اور کیا کام ہو سکتا ہے؟ مگر مسلمان جان کی پروا کہاں کرتا ہے! دلیری اور شجاعت کے ایسے سینکڑوں واقعات سترہ دن تک تمام اخباروں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ غیر ملکی اخباروں کے نمائندوں نے محاذ پر جا کر بچشم خود ان واقعات کو دیکھا ہے اور برملا کہا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس بے جگری سے نہیں لڑ سکتی۔

زمانۂ جنگ کے بھی کچھ اخلاقی ضوابط ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ملکی اور غیر ملکی اخباروں کو محاذ جنگ پہ جانے کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ پاکستان نے اس دستور کو قائم رکھا لیکن بھارت میں تین سو غیر ملکی اخبار نویس سر پیٹتے رہ گئے اور انہیں کسی محاذ پر جانے نہیں دیا گیا۔ ایک شامت کا مارا خدا جانے کیسے امرت سر پہنچ گیا تو اس کی ایسی درگت بنی کہ ساری عمر یاد رکھے گا۔ شہر والوں نے جو ایک گورے کو گھومتے دیکھا تو اسے گھیر لیا اور اسے جاسوس ٹھہرا کر گھونسوں اور لاتوں سے اس کی تواضع شروع کی۔ وہ لاکھ انگریزی میں سمجھا رہا ہے کہ میں اخبار نویس ہوں اور دیکھو

یہ تمہاری حکومت سے اجازت نامہ لے کر یہاں آیا ہوں ۔ مگر بھارتی سورما بھلا اس کی کب سننے لگے تھے ۔ جب وہ ادھ موا ہو گیا تو اتفاق سے ادھر کوئی پولیس افسر نکلا اور اس نے اخبار نویس کی جان بچائی اور اسے واپس دلی بھیجنے کا انتظام کیا وہاں پہنچ کر جب اس نے اِس "حسنِ سلوک" کی تعریف کی تو انہوں نے کہا: اسی لیے تو ہم تمہیں محاذ پر جانے نہیں دیتے ہم ضد کر کے گئے اور تمہیں اس کا صلہ مل گیا"۔ اس رپورٹر نے اس پورے واقعے کو غیر ملکی اخباروں میں شائع کرایا ۔ بھارت یہ چاہتا ہی نہیں کہ محاذِ جنگ کی صحیح خبروں سے دنیا واقف ہو۔ دنیا کیا وہ اپنے ہی ملک والوں کو صحیح حالات سے آگاہ نہیں ہونے دیتا ۔ بھارت کی تمام خبریں دفتروں میں بیٹھ کر بنائی جاتی ہیں ۔ بقول ان کے انہوں نے پاکستان کے چھ سو طیارے اب تک مار گرائے ہیں حالانکہ پاکستان کے کل چار سو طیارے تھے ۔ اور پاکستانی فوجی تو اتنے مارے ہیں کہ اتنی آبادی بھی پاکستان کی نہیں ہے۔

بھلا اس محکمہ اطلاعات کے بارے میں کیا کہا جائے جو پہلے ہی دن بی بی سی سے اعلان کرا دیتا ہے کہ لاہور بھارت کے قبضہ میں آگیا ہے!

جب سے جنگ چھڑی ہے بھارتی اخبارات تو پاکستان میں آتے ہی نہیں، ہاں آل انڈیا ریڈیو خوب جی کھول کر سنا جا سکتا ہے کیونکہ پاکستان نے اس کے سننے پر کوئی پابندی نہیں لگائی (بھارت میں ریڈیو پاکستان سننا جرم ہے) ان خبروں کا بلیغ جھوٹ کا پشتارہ ہوتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو پاکستان سے جو کچھ نشر ہوتا ہے اسی کا الٹ وہ فوراً سنا دیتے ہیں ۔ ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا کہ سیالکوٹ پر بھارت نے بمباری کی جس سے ایک مسجد شہید ہو گئی اور چند بھینسیں مر گئیں ۔ آل انڈیا ریڈیو اپنے اگلے نشریہ میں کہتا ہے کہ پاکستان نے امرت سر پر بمباری کی جس سے ایک گردوارہ کو نقصان پہنچا اور

چند مویشی مر گئے۔ حالانکہ امرتسر پر کبھی پاکستان نے ہوائی حملہ کیا ہی نہیں۔ بلکہ بار بار ریڈیو پاکستان سے اعلان کیا جا چکا ہے۔ بمبار طیاروں کو حکم دیا جا چکا ہے کہ کسی شہری آبادی پر بمباری نہ کی جائے۔ اور امرتسر کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ معذرت بھی کر لی گئی کہ امرتسر کی نواحی بستیوں میں جہاں جہاں فوجی ٹھکانے ہیں ان پر اگر بمباری کی جائے تو اس کے لیئے ہم مجبور رہیں۔ اگر ریڈیو پاکستان یہ کہتا ہے کہ آج دشمن کے چار طیارے مار گرائے گئے تو آل انڈیا ریڈیو یہ ضرور کہے گا کہ آج پاکستان کے چھ طیارے مار گرائے گئے۔ ریڈیو پاکستان نے بتایا کہ بھارتی طیاروں نے آج ایک ریل پر حملہ کر کے پچاس مسافروں کو ہلاک اور سو مسافروں کو زخمی کر دیا تو آل انڈیا یہ ضرور کہے گا کہ پاکستان کے طیاروں نے ہماری ایک ریل پر حملہ کر کے سو مسافروں کو ہلاک اور دو سو کو زخمی کر دیا۔ اور جھوٹ تو ایسا بولتا ہے کہ ہماری پڑوسن بڑالفضیبن بھی اس پر ہنس پڑتی ہیں۔ مثلاً آل انڈیا ریڈیو نے ایک دفعہ یہ خبر براڈکاسٹ کی کہ صدر ایوب کو ہٹا کر میاں بھٹو ان کی جگہ بیٹھ جانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایوب خان نے میاں بھٹو کو ملک سے نکال دیا ہے۔ اور اس وقت بھٹو صاحب اقوام متحدہ میں وہ تاریخی تقریر کر رہے ہیں جسے اقوام متحدہ کی بہترین تقریروں میں شامل کیا گیا ہے۔ اور بھٹو صاحب پھر پاکستان واپس آ گئے۔ بڑالفضیبن نے جب میاں بھٹو کے پاکستان سے نکالے جانے کی خبر سنی تھی تو کہا تھا! ہائے کم بخت، تیرے منہ میں خاک۔" پھر وہ خوب ہنسی تھیں۔ اور جب بھٹو صاحب کے واپس آ جانے کی اطلاع ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئی تو انہوں نے کہا تھا: "اب کوئی جا کر شاستری کے جسم میں تھوکے۔" خیر ایسی بیہودہ خبریں اور ایسی گھٹیا زبان میں تو محکمہ اطلاعات کے بھارتی افسر تصنیف فرماتے ہوں گے۔

شاستری جی کی بھی تقریریں سنیں اور راشٹرپتی رادھا کرشنن کی بھی۔ سب سے بڑے اور ذمہ دار یہ دونوں بھارتی نیتا بھی گنگا جل اٹھا چکے ہیں کہ سچ اور حق بات ان کے منہ سے کبھی نکلنے نہ پائے گی۔ دونوں نے پاکستان ہی کو حملہ آور ٹھہرایا حالانکہ رن کچھ میں بھی بھارت ہی نے پہل کی تھی۔ پھر کشمیر میں پہل کی۔ پھر لاہور کے محاذ پر پہل کی۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ اسی سے باقی تقریروں کا اندازہ لگا لیجئے۔ ۲۶ ستمبر کو پردھان منتری نے فرمایا کہ بھارت کے ۶ کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ ۷ ستمبر کو راشٹرپتی نے فرمایا کہ بھارت کے پانچ کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ راشٹرپتی پورے ایک کروڑ مسلمانوں کو چٹ کر گئے۔ جنگ بندی کی جو تجویز او تھانٹ نے پیش کی تھی بھارت پہلے صرف اس کے ایک حصے کو مانا تھا۔ مگر جب جنگ بند نہیں ہوئی اور پاکستان نے زور دیا کہ قرارداد کے دوسرے حصے کو بھی مانو (جس میں تمام اختلافات کو طے کرنے کو کہا گیا تھا) تو بھارت نے لڑائی رکوانے کے لئے اسے بھی مان لیا تھا، مگر جنگ بندی کے بعد شاستری جی نے جو پہلی تقریر کی اس میں کشمیر کے بارے میں پھر یہی کہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ حصہ ہے اس لئے اس پر بات چیت کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کشمیر کوئی متنازعہ چیز بھی نہیں ہے۔ کشمیر کا معاملہ داخل دفتر ہو چکا ہے۔ حالانکہ بھارت نے پاکستان پر حملہ ہی اس لئے کیا تھا کہ کشمیر میں مجاہدین کو جو فتوحات ہو رہی تھیں اُن کی طرف سے سب کی توجہ ہٹ جائے۔ اپنی بات سے مکر جانا اور وعدے سے پھر جانا بھارت کی فطرت بن گیا ہے۔ فائر بندی کے احکام جاری کرنے کے لئے بھارت نے مزید پندرہ گھنٹے کی مہلت یہ کہہ کر مانگی تھی کہ اتنے کم وقت میں بھارت کی تمام فوجوں کو فائر بندی کی اطلاع نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان نے اس مطالبے کو بھی مان لیا تھا لیکن بھارت چونکہ ایک لادینی

حکومت ہے اس کا کوئی دھرم تو ہے ہی نہیں - اس نے اس وقفے میں جنگ بند کرنے کے بجائے اپنے حملے اور تیز کر دیئے تاکہ ہر محاذ پر اس پندرہ گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے۔ مگر پاکستان بھی اس بے دھرم حکومت کی چالوں کو خوب سمجھ گیا ہے۔ بھارت کی اس ذلیل حرکت کی اُسے ہاتھ کے ہاتھ سزا مل گئی، اور بھارت کچھ حاصل کرنے کے بدلے کچھ اور کھو ہی بیٹھا۔ اور اب بھی جب کہ لڑائی بھڑائی روک دینے کا معاہدہ ہو چکا ہے بھارت برابر فائر بندی کی خلاف ورزیاں کر رہا ہے جن کے عینی شاہد اقوام متحدہ کے مبصر ہیں۔ یہ مبصر صرف شکایت کر سکتے ہیں۔ لڑائی کو روکنے کے لئے ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ پاکستان نے قدم قدم پر اقوام متحدہ کی تجویزوں اور درخواستوں کو منظور کیا ہے مگر بھارت نے ہمیشہ ان تجویزوں کو ٹھکرایا ہے اور معاہدوں پر کبھی عمل نہیں کیا۔ مبصرین لاکھ منع کریں بھارت ان کی ایک نہیں سنتا۔ چین نے بھارت کی وعدہ خلافیوں ہی کے پیش نظر سکم سرحد پر قلعہ بندیوں کو دو دن میں توڑ دینے کا الٹی میٹم بھارت کو دیا تھا۔ بھارت نے اس کے جواب میں مبصرین مقرر کرانے کی تجویز پیش کی تھی۔ چین جانتا تھا کہ مبصرین کی آڑ میں بھارت اپنی چالیں چلتا رہے گا۔ لہذا چین نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مبصرین بالکل بیکار ثابت ہو چکے ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ چین نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بھارت اس قسم کی ٹال مٹول میں وقت ضائع نہ کرے بلکہ قلعہ بندیاں فوراً ڈھا دے اور وقت مقررہ میں ۵۶ قلعہ بندیاں ڈھا دی گئیں۔ مگر رات کو بھارت کے پردھان منتری شاستری جی نے اپنی تقریر میں کہا کہ قلعہ بندیاں بھارت نے نہیں ڈھائیں۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ چین جانتا تھا کہ بھارت یہی کہے گا، اس لئے اس نے وہ تمام تصویریں شائع کر دیں جن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ قلعہ بندیوں

کو کون ڈھارہا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے، بھارت کا وزیر اعظم ایک سال جھوٹ بولے چلا جاتا ہے اور ثبوت مہیا ہونے پر بھی شرمندہ نہیں ہوتا ؎

چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل گئی

جب کراچی پر بھارت کے بمبار مسلسل چھ راتوں تک آتے رہے تو ایک دن پاکستانی بحریہ نے بھارت کے علاقے میں گھس کر دوارکا کے فوجی ٹھکانے کو ٹھکانے اور ہوائی اڈے اور راڈر کا کام تمام کر دیا اور پاکستانی بحریہ کا جنگی جہاز بابر اطمینان سے کراچی واپس آگیا۔ وہ دن اور آج کا دن، کراچی پر ہوائی حملہ نہیں ہوا۔ جب شاستری جی سے پارلیمینٹ میں سوال کیا گیا کہ بابر جب دوارکا پر گولے برسا رہا تھا تو بھارتی بحریہ اور فضائیہ کس خواب خرگوش میں تھا؟ شاستری جی نے حسب عادت جھوٹا بیان دے دیا کہ ہم نے پاکستانی بحریہ کو مار کر بھگا دیا اور ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اور اپنے بحریہ کا کارنامہ دکھانے کے لئے تین جنگی جہاز کراچی کو تباہ کرنے کے لئے چپکے سے بھیج دیئے۔ پاکستانی بحریہ نے کراچی سے دو سو میل دور ہی انہیں سینت لیا اور ان میں سے ایک جہاز کو ڈبو دیا۔ اگر ڈوبا نہیں تو وہ جہاز کہاں گیا؟ اور کراچی پر بھارتی بحریہ نے حملہ کیوں نہیں کیا؟ اور وہ بھارتی طیارہ بردار جنگی جہاز بجرم کہاں کہاں اور کیوں اپنی جان بچاتا پھر رہا ہے؟

کراچی پر ہوائی حملے کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو نے اعلان کیا کہ لالوکھیت کا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا گیا ہے، اور تین ہٹی کا پل اڑا دیا گیا ہے۔ اب بھلا بتایئے اس خبر پر بد نصیبوں کے سامنے کراچی کی ۲۴ لاکھ آبادی کیوں نہ ہنسے؟ لالوکھیت میں کوئی ہوائی اڈہ نہیں ہے اور تین ہٹی کا پل (جو ایک خشک برساتی نالے پر ہے) جوں کا توں

برقرار ہے۔ کراچی پر بھارت کے طیارے چھ راتوں تک مسلسل آتے رہے مگر اس سے پہلے کہ وہ کراچی کو کوئی نقصان پہنچاتے انہیں توپیں اور پاکستان کے طیارے مار بھگاتے تھے اور جب پاکستان کی بحریہ نے دوارکا کو تہس نہس کر دیا تو کراچی پر کوئی بھارتی طیارہ پھر نہیں آیا۔ مگر ہمیں تو آل انڈیا ریڈیو کا یہ اعلان سن کر لطف آ گیا کہ دوارکا کی کوئی فوجی اہمیت نہیں تھی۔ پاکستانی بحریہ نے محض نمود کے لئے اس پر حملہ کیا تھا۔

لاہور پر سب سے پہلے اتنا بڑا بری اور فضائی حملہ کرنے میں بھارت کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کے دل پر قبضہ ہو جانے کے بعد اہل پاکستان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اس بات کو پاکستان بھی خوب سمجھتا تھا جبھی تو پاکستان نے اس محاذ پر مدافعت کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ پاکستانی افواج تو بھارتی افواج کا "گرما گرم استقبال" کرنے کے لئے رن کچھ کے معرکہ کے بعد ہی سے تیار تھیں۔ اہل لاہور بھی ہر ممکن افتاد کے لئے تیار تھے اور جب ۶ ستمبر کی صبح کو اہل لاہور کو معلوم ہوا کہ دشمن چوروں کی طرح پاکستانی سرحد میں گھس آیا ہے تو لاہور کے ہزاروں دل جیالے ڈنڈے اور لاٹھیاں لے کر گھروں سے نکل آئے اور جوش میں لاہور سے چھ میل دور تک دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے پہنچ گئے۔ انہیں بمشکل تمام فوجی گارڈوں نے روکا، اور انہیں اطمینان دلایا کہ پاکستانی افواج دشمن کا سر کچل رہی ہیں۔ آپ لوگ اپنے اپنے گھر جائیں۔ مگر ان جوشیلے شہریوں نے ایسے وقت میں خانہ نشین ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہیں سمجھایا گیا کہ فوجی نقل و حرکت میں آپ لوگوں کی موجودگی سے خلل پڑے گا، اس لئے آپ کو واپس ہی چلا جانا چاہئے۔ مگر ان میں ہیجان اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ دشمن کو کچا چبا جانا چاہتے تھے۔ سرفروشی کا یہ جذبہ ایمان کی قوت ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ مادرِ وطن کے تحفظ کے لئے سعادت مندی کا تقاضا بھی

یہی تھا کہ اس وقت اپنی جان کی پروا نہ کی جائے۔ مگر فوج کے کرنے کے کام اور ہوتے ہیں اور عوام کے کچھ اور۔ بپھرے ہوئے عوام کو بتایا گیا کہ فوج اور عوام کے کاموں میں باہم ٹکراؤ نہیں ہونا چاہئے۔ ان میں باہمی ارتباط ہونا چاہیئے۔ ہمیں فوجی کام کرنے دیجئے اور آپ شہری کام کیجئے۔ یہی بہترین صورت آپ کے تعاون کی ہے۔ یہ بات عوام کی سمجھ میں آ گئی۔ اس پر بھی سترہ دن تک برابر یہ ہوتا رہا کہ محاذ پر جو سامان ٹرکوں میں بھیجا جاتا اُسے لادنے میں شہری آبادی مدد دیتی۔ شہر سے ہزاروں دیگوں میں کھانا پک کر فوجوں کے لئے جاتا۔ فوجیوں کے لئے راحت کے سامان مہیا کئے جاتے۔ زخمیوں کے لئے جو طبی کیمپ کھولے گئے تھے ان میں عوام اپنے زخمی بھائیوں کی خدمت کرتے۔ خواتین اور لڑکیاں بھی گھروں سے نکل آئیں اور نرسوں کی خدمات انجام دینے لگیں۔ لاہور کی خواتین تو اس پر بھی مصر تھیں کہ انہیں محاذ پر جانے دیا جائے۔ وہ اسلامی تاریخ کے حوالے دیتی تھیں اور ان خواتین کی مثالیں پیش کرتی تھیں جو محاذ جنگ پر مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ انہیں بھی بمشکل یہ کہہ کر روکا گیا کہ ابھی اس کی نوبت نہیں آئی ہے کہ اُن سے یہ خدمت لی جائے۔ لاہور کی خواتین نے خدمت اور ایثار کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کے علاوہ انہوں نے فوجیوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں تحفے جمع کر کے بھیجے۔ ان کے لئے کمبل اور گرم کپڑے مہیا کئے۔ آپس میں چندے کئے اور حد یہ کہ اپنے زیورات تک اتار کر دے دیئے اور پھر جب سیالکوٹ، سرگودھا، چھمب، برکی اور راجستھان وغیرہ کے کئی محاذ بھارت نے کھول دیئے اور شہری آبادیوں پر سفاکی کے ساتھ بم برسانے شروع کر دیئے تو اس ایثار وامداد کا جذبہ کی آگ کی طرح پورے مغربی اور مشرقی پاکستان میں پھیل گیا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ

تن ہمن ، دھن ، سے تو واقعی پاکستان کے ہر فرد، مرد، عورت اور بچے تک نے تن، من دھن سے پاکستانی افواج کی خدمت شروع کر دی۔

سرکاری اور غیر سرکاری ملازموں نے اپنی تنخواہ کا دس فی صد یا پانچ فی صد ماہ بماہ دینا شروع کر دیا۔ جو کم تنخواہ کے مرد عورت ہیں انہوں نے اپنی ایک دن کی تنخواہ وقف کر دی۔ بڑے بڑے کارخانہ داروں اور تاجروں نے لاکھوں اور ہزاروں روپے ماہوار دینا منظور کیا۔ مغربی پاکستان کے گورنر صاحب نے اپنی پوری تنخواہ جنگی فنڈ میں دے دی۔ طالبعلوں نے چندے کئے اور اپنے جیب خرچ پورے کے پورے نذر کر دیئے۔ جو صاحب ثروت ہیں ان کا عطیہ بھی قابلِ قدر ہے لیکن اس زمانہ میں غریبوں کا حوصلہ یقیناً ایک عجوبہ ہے۔ جیسے ایک پیرزن سُوت کی انٹی لے کر حضرت یوسفؑ کی خریداری کو پہنچ گئی تھی۔ ہم نے سینکڑوں مثالیں ایسے ناداروں کی دیکھی ہیں جنہوں نے اپنا ساری عمر کا جمع جکڑا نکال کر مقامی حکام کو دے دیا۔ ایک سلائی کرنے والی بڑی بی کی کل پونجی کانوں کی بالیاں تھیں۔ انہوں نے وہ بھی اتار کر دے دیں۔ ایک محنت کش نے آکر پوچھا "فوجیوں کے لئے اگر کچھ رقم دینی ہو تو کہاں دی جائے؟" ہم نے انہیں بتایا کہ اسی بنک میں جمع کرا دو جو تمہاری جھگی کے قریب ہے۔ "بولے" آپ میرے ساتھ چل کر جمع کرا دیجئے۔ "پوچھا "کتنی رقم ہے؟" ایک میلی سی تھیلی جیب سے نکال کر بولے "یہ پانچسو روپے ہیں جو میری بیوی نے بچی کی شادی کے لئے جمع کئے تھے۔ میں نے کہا "تو بچی کی شادی کیسے کرو گے؟" بولے "شادی بھی ہو جائے گی، اُس کا بھی اللہ کچھ انتظام کر دے گا۔ اگر لڑکے والوں نے جلدی کا تقاضا کیا تو شربت کے پیالے پر ہی نکاح کر دوں گا۔" میں نے کہا "ٹھیک ہے، جس نے لڑکی دی اس نے سب کچھ دیا۔" اور میری آنکھوں میں آنسو آ

گئے کہ ہم سے تو یہ غریب ہی اچھے ہیں کہ اپنی کل پونجی نذر کر رہے ہیں اور ہم اسی پر خوش اور مطمئن ہیں کہ ہم نے اپنی تنخواہ کا ۵ فی صد دے دیا۔ محمد بخش ڈرائیور بھی ہم سے کہیں اونچا ہے کہ ہم نے جب اس سے کہا "کیوں محمد بخش تم نے اپنی تنخواہ میں سے فوجیوں کے لئے کچھ نہیں دیا؟" اس نے سر جھکا کر بڑی راز داری میں کہا "حضور ایک ہزار روپیہ گھر میں تھا اور بچی کے ہاتھ میں چاندی کے کڑے تھے بس یہی تھا میرے پاس جو دے چکا ہوں۔" ایسی ایک دو نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں مثالیں ہیں۔ ہر شہر اور قریہ سے حسب استطاعت اور اکثر اپنی استطاعت سے زیادہ کے عطیات پیش کئے جا رہے ہیں۔ خدمت خلق کے رفاہی ادارے دن رات کام کر رہے ہیں۔ کل پاکستان انجمن خواتین کی نمائندہ کارکن ہر محلے اور ہر گھر سے عطیات جمع کر رہی ہیں اور دینے والے بھی دل کھول کر روپیہ پیسہ اور ضرورت کی چیزیں دے رہے ہیں۔ گھر گھر اُون تقسیم کیا جا رہا ہے۔ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں بھی اُون تقسیم کیا گیا ہے کہ فوجیوں کے لئے سویٹر بنے جائیں۔ اپنے پورے فرصت کے اوقات میں عورتیں، لڑکیاں اور بچیاں تک سویٹر بُن رہی ہیں، موزے بُن رہی ہیں۔ بچے بچے کے دل میں یہ احساس موجود ہے کہ فوجی پاکستان کے لئے لڑ رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے لڑ رہے ہیں، ہمارے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہم اس لئے اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہمارے فوجی بھائی ہمیں بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہمیں زندہ رکھنے کے لئے اپنی جان دے رہے ہیں۔ ہم اگر ان کی طرح لڑ نہیں سکتے، اگر ان کی طرح جان قربان نہیں کر سکتے تو ان کے لئے مالی قربانی تو کر سکتے ہیں۔ اپنی فضول خرچیوں کو روک کر ان کی قیمتی امداد تو کر سکتے ہیں۔ ان سرفروشوں کے لئے، پاکستان کے اُن بہادر سپوتوں کے لئے جنہوں نے وطن کے لئے اور ہمارے لئے جان کی بازی لگا دی ہے ہم مادی

قربانی تو کر سکتے نہیں۔ چیزوں کے جمع ہونے میں اور فوجیوں کے سامان ضرورت مہیا کرنے
میں کسی قسم کا جبر نہیں کیا گیا۔ سب نے بہ رضا و رغبت خوشی خوشی اپنی بساط بھر بلکہ اپنی بساط
سے زیادہ بھی نذرانہ پیش کر دیا اور یہ نہیں کہ ایک دفعہ اپنا عطیہ دے کر مطمئن ہو گئے ہوں۔
جی نہیں، ماہ بماہ اور روز بروز اپنے حصے کی امداد ہر فرد پیش کرتا رہے گا۔ شاستری
جی نے بڑے فخر سے اعلان کیا تھا کہ بھارت کے جنگی فنڈ میں ایک کروڑ روپیہ جمع ہو چکا
ہے۔ یقیناً انہیں اس کا علم ہو گا کہ پندرہ ہی دن میں پاکستان کے جنگی فنڈ میں کئی کروڑ
روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ دولت کے اعتبار سے بھارت پاکستان سے سو گنا ہے۔ وہاں صرف
ایک کروڑ روپیہ کا جمع ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے، بلکہ شرم کی بات ہے جس ملک میں
ٹاٹا اور برلا اور ڈالمیا اور ان جیسے ہزاروں سرمایہ دار ہوں وہاں صرف ایک کروڑ؟ اس حقیقت
سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بھارت کے عوام اور خواص جنگ کے خلاف ہیں اور خلاف ہونا
بھی چاہئے کہ اس جنگ کا مقصد ہی بیہودہ اور ذلیل ہے۔ اپنے عوام کو دھوکا دینا ہے۔
کشمیریوں کو ان کی آزادی سے محروم رکھنا ہے۔ پاکستان کو کھا جانے کی ناپاک کوشش کرنا
ہے بھارت کی پبلک کی توجہ کو سیاسی مطالبات اور کال کی مصیبت کی طرف سے ہٹانا ہے
مگر بھارت جنگ چھیڑ کر مزید مشکلات میں مبتلا ہو گیا۔ کشمیری مجاہد جھلا کر اٹھ کھڑے
ہوئے اور پاکستان نے بھارت کی دس گنی فوجی طاقت کی کمر توڑ دی۔ شاستری حکومت
کی رہی سہی ساکھ بھی خاک میں مل گئی۔ جیسی نیت ویسا پھل۔ جنتا جنگی فنڈ میں روپیہ آخر کیوں
دے؟ شاستری جی بھارت کی جنتا کو فریبوں کی خوراک پر آخر کب تک زندہ رکھ سکیں گے؟
پیٹ تو روٹی سے بھرتا ہے فریب سے نہیں۔ بھارت کے عوام کو اس جنگ سے کوئی ہمدردی
نہیں ہے۔ وہ تو پہلے ہی افلاس اور ناداری کا شکار ہیں۔ ناعاقبت اندیش اور ناکارہ

حکومت نے بھارت کا دیوالہ نکال دیا ہے۔ جنتا کا مودال ختم ہو چکا ہے۔ بھارت کے تعلقات اپنے کسی بھی پڑوسی ملک سے اچھے نہیں ہیں۔ جب نیت ہی خراب ہو تو اچھے ہوں بھی کیسے؟ بھارت کے نیتاؤں کو شکوہ ہے کہ قوموں کی برادری میں کوئی اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔ بھارت اس بھری دنیا میں اکیلا رہا جاتا ہے۔ اس پر بھی وہ اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتا۔ یہ نہیں دیکھتا کہ اُسے سب کیوں دھتکار رہے ہیں۔ اُلٹی دھمکیاں دے رہا ہے کہ ہم اقوام متحدہ سے الگ ہو جائیں گے، ہم دولتِ مشترکہ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ پھر تو سچ مچ اکیلا رہ جائے گا اور کوئی اس کی بات نہیں پوچھے گا۔ پاکستان نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر کشمیر کے باب میں اقوام متحدہ نے اپنی قرارداد پر (جس کی پابندی کرنے کا وعدہ بھارت اور پاکستان دونوں نے بھی کیا تھا) عمل نہ کرایا تو پاکستان اقوام متحدہ سے الگ ہو جائے گا اور ایسا کرنے میں اس کا یہ عمل اقوام متحدہ کے منشور کے عین مطابق ہو گا۔ اور ہاں پاکستان کی علیحدگی کے معنیٰ یہ ہوئے کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی کا اقوام متحدہ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ پاکستان تو اقوام متحدہ سے کہہ رہا ہے کہ اپنا وعدہ پُورا کرو ورنہ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ہے کوئی جواب اس منطق کا؟ کیوں جناب عالمی منطقی صاحب؟ پاکستان کے دونوں حصّوں میں سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات سب کی سب ملتوی کر دی گئی ہیں۔ اس طرح جو بچت ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ بھی جنگی فنڈ میں جا رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مزدور اور کاریگر نے اپنی ایک دن کی مزدوری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ غرض پاکستان کا ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جس نے اپنی آمدنی کا کچھ حصّہ اس فنڈ کے لئے وقف نہ کر دیا ہو۔ بھارت میں چور بازاری چمک اُٹھی ہے، اشیاء کی قیمتیں اتنی زیادہ ہو گئی ہیں کہ جنتا ان سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ طرح طرح کے ٹیکسوں نے

نے رہی سہی جان نکال لی ہے۔اول تو چیزیں ملتی ہی نہیں اور اگر بہ ہزار خرابی ملتی ہیں تو اتنی مہنگی کہ انہیں اہلِ ثروت ہی خرید سکتے ہیں۔ مگر پیٹ کو تو آٹا یا چاول چاہئے آٹا دو روپے سیر، چاول دو روپے سیر، دالیں چار اور پانچ روپے سیر، شکر چار روپے سیر۔ یہ حال شہروں کا ہے، دیہاتوں میں کال پڑا ہُوا ہے۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ بھوکوں کے جلوس نکل رہے ہیں۔ بھوکے دکانیں لوٹ رہے ہیں۔ بھوکوں پر گیس پھینکی جا رہی ہے۔ روٹی مانگنے والوں پر ڈنڈے برسائے جا رہے ہیں، گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔ بھوکوں سے کہا جا رہا ہے کہ غلہ نہیں ہے کچھ اور کھاؤ۔ فوجیوں کے پیٹ بھرنے کے لئے تم بھوکے رہو۔ ابھی تو تمہیں کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے، آئندہ تو اس سے بھی زیادہ سختیاں جھیلنی پڑیں گی۔ کیونکہ ہمیں پاکستان سے لڑنے کے لئے ابھی کئی لاکھ فوج اور بڑھانی ہے۔ ہماری آٹھ لاکھ فوج پاکستان کو شکست دینے میں ناکام ہو چکی ہے۔ مگر بھارتی فوجوں کو جو غذا مل رہی ہے اس کا پول بھی کھل گیا ہے۔ اس کے تباہ شدہ ٹینکوں سے گڑ چنے برآمد ہو رہے ہیں، بھارت کے فوجی آخر کیوں لڑیں اور کیسے لڑیں؟ اُن کے پیشِ نظر کوئی مقصد نہیں ہے، ان کے دلوں میں کوئی جذبہ نہیں ہے، انہیں کھانے کو بھی نہیں ملتا، ان کے پاس فوجی جوتے بھی نہیں ہیں۔ کرمچ کے جوتے انہیں دئیے گئے ہیں۔ مغربی پاکستان کی تپتی ہوئی زمین اور ریگستان راجپوتانہ کے چنگاریاں اڑاتے ہوئے ذرے دیکھئے اور کرمچ کے جوتے دیکھئے! فوجوں کا مورال ختم ہو چکا ہے۔ مگر بھارت انہیں پاکستانی توپوں کا کھاجا بنانے پر تلا ہُوا ہے۔ فوجوں میں بغاوت پھیلنے لگی ہے۔ سکھوں نے محسوس کر لیا ہے کہ انہیں ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہراول دستوں میں رکھ کر پاکستان سے توپ دم کرایا جا رہا ہے۔ گورکھوں کے بارے

میں نیپال کی حکومت نے بھارت سے کہا تھا کہ گورکھوں کو چین سے لڑنے کے لئے تیار کیا گیا تھا، انہیں پاکستان کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔ مگر سیالکوٹ کے محاذ پر گورکھوں کو بھیج کر ان کی بھی خاصی تعداد کو ختم کرا دیا گیا۔ بھارت جنگ کے جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مگر پاکستان نے اس کے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں۔ جبھی تو فائر بندی پر بے چون و چرا جھٹ راضی ہو گیا۔ کچھ عرصے کے لئے تو جان بچ جائے گی۔ مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ ایک دن تو چھری تلے آئے ہی گی۔

پاکستان کے کارخانوں نے، تاجروں نے اور دکانداروں نے جذبۂ ایمانی اور اخوتِ اسلامی کا ثبوت اس طرح دیا کہ جنگی چندے میں بڑی بڑی رقمیں بھی دیں اور کسی ایک چیز کی قیمت بڑھنے نہیں دی۔ اور نہ کسی قسم کا مال بازار سے غائب ہونے دیا۔ ہر چیز حسبِ دستور ملتی رہی۔ یہ ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے ورنہ دنیا کے کسی متمدّن سے متمدّن ملک میں بھی تاجروں کی چور بازاری زمانۂ جنگ میں بڑھ جاتی ہے۔ یہی زمانہ ان کے لئے ایک ایک کے دس دس بنانے کا ہوتا ہے۔ ہم نے عالمگیر جنگ میں بھی یہ تماشہ دیکھا ہے اور دوسری عالمگیر جنگ میں بھی۔ مگر پاکستان میں دورانِ جنگ اشیاء کی قیمتوں کی استواری دیکھ کر پاکستانی اور غیر پاکستانی سب ہی حیران رہ گئے۔ عوام نے کسی قسم کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی۔ انہیں اطمینان تھا کہ تاجر چور بازاری نہیں کریں گے۔ کسی قسم کا خوف و ہراس عوام میں نہیں تھا۔ لاہور اور سیالکوٹ اور قصور میں بھی جہاں بم برس رہے تھے، جہاں شہری آبادیوں کو تباہ کیا جا رہا تھا۔ جہاں بھارت کے چھ چھ سو ٹینک حملہ کر رہے تھے، پاکستانی فوجیں ان کے پرخچے اڑا رہی تھیں۔ سیالکوٹ کے شہری گھروں سے محروم ہو گئے تھے۔ بھارتی بموں نے

ان کے بھرے پُرے گھروں کو ملبہ بنا دیا تھا۔ مگر یہ اپنے جیسے ہی پر تھگی صاف کر کے بیٹھے رہے۔ بازاروں میں دوکانیں کھنڈر بن گئی تھیں۔ مگر ضرورت کی چیزیں انہی کھنڈروں میں پہلی ہی قیمتوں پر فروخت ہو رہی تھیں۔ یہ ایمانداری اسلام ہی سکھاتا ہے اور مسلمان ہی اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ لادینی حکومت کے لادین لوگ تو ایسی راست بازی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس جذبۂ اخوت، اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کی تو انہیں ہوا بھی نہیں لگی۔ دل میں جب ایمان نہیں ہوگا تو بے ایمانی ہوگی۔

پاکستان کے ہر طبقے نے ان تمام رسوم اور تقریبوں کو اس زمانے میں روک دیا ہے جن میں دولت محض نمود کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔ اس دولت کو، اس بچت کو کیوں نہ ملک کے تحفظ کے لئے خرچ کیا جائے؟ اور بھوکے بھارت کے پردھان منتری شاستری بڑی شان سے اپنی سالگرہ مناتے ہیں اور پاکستان کے پیٹن ٹینک کی شکل کا بہت بڑا سبز رنگ کا ایک ٹینک کاٹ کر دھر دیا۔ بھارتی سورما کے اس ارشاد پہ مہمانوں کی کثیر تعداد خوشی سے تالیاں بجاتی ہے اور قہقہوں سے فضا گونج جاتی ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ جب روم جل رہا تھا تو نیرو بیلا بجا رہا تھا اور جب بھارت بھوکا مر رہا تھا تو شاستری کیک کھا رہا تھا!

اور جب حکومت کی طرف سے خون دینے کی اپیل کی گئی تو اپنے زخمی فوجی بھائیوں کو خون دینے کے لئے پاکستان میں شاید ہی کوئی تندرست و توانا فرد ہوگا جس نے ہچکچاہٹ محسوس کی ہو۔ کراچی کے سرکاری ہسپتالوں پر وہ یورش رہی کہ عملے کو بار بار درخواست کرنی پڑی کہ عوام صبر و ضبط سے کام لیں۔ عورت، مرد، بوڑھے، جوان بچے سبھی فوراً خون دینے پہنچ گئے۔ اور ہر ایک اسی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح

پہلے میرا خون لے لیا جائے۔ اور جب شام تک اس کا نمبر نہ آتا تو اگلے دن صبح ہی سے پھر وہ جا کر قطار میں لگ جاتا۔ خون ایک مقررہ مقدار میں لیا جاتا ہے۔ مگر جذبے کی شدت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ جو بھی خون دینے گیا کہتا کہ ابھی اور خون نکالو اکثر مثالیں ایسی دیکھنے میں آئیں کہ خون دینے والے نے اپنی جگہ سے اس وقت تک ہٹنے سے انکار کر دیا جب تک کہ مزید خون نہ نکال لیا گیا۔ آج تک خون دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس خون رکھنے کی بوتلیں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمارے پاس خون رکھنے کی جگہ نہیں ہے مگر عوام ہیں کہ جوق در جوق چلے آ رہے ہیں، ڈاکٹر ان کا خون لیتے لیتے تھکے جا رہے ہیں مگر خون دینے والوں میں کمی نہیں ہو رہی۔ حد تو یہ ہے کہ بڈھے بڈھے لوگ لکڑی ٹیکتے چلے آ رہے ہیں اور جب ان سے ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ کی عمر اتنی ہے کہ آپ کا خون نہیں لیا جا سکتا تو وہ بہت ہی شکستہ دل ہو کر حسرت سے جوانوں کے انبوہ کی طرف دیکھتے ہیں اور بھاری دل لئے بھاری بھاری قدموں سے واپس جاتے ہیں۔ ایک بڑے میاں کو یہ بھی کہتے سنا کہ "میں نے فوج میں بھرتی ہونا چاہا تو کہہ دیا کہ تمہاری عمر بہت زیادہ ہے اب ڈاکٹر صاحب نے بھی یہی کہہ دیا کہ تمہاری عمر بہت زیادہ ہے۔ برا ہو اس بڑھاپے کا کہ میں بالکل بیکار ہو کے رہ گیا" جب انہیں یوں ہراساں دیکھا تو لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ بزرگوار آپ اللہ اللہ کریں اور پاکستان کی فتح کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہ بھی ایک خدمت ہے۔ اور مجھے ملٹن کا وہ سانیٹ یاد آ گیا جو اس نے اپنی بصارت زائل ہونے پر کہا تھا کہ "اے خدا، جب تو پوچھے گا کہ تو نے دنیا میں جا کر اپنے ہنر سے کوئی کام نہیں لیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ تو اس کو

اپنے باطن سے ایک آواز سنائی دیتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام پورے کرنے کے لئے فرشتے کائنات میں پرواز کرتے رہتے ہیں۔ مگر خدمت وہ فرشتے بھی انجام دیتے ہیں جو بارگاہ خداوندی میں دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں۔"

ہماری وہ خواتین بھی جو پرانے خیال کی ہیں اور قدامت پرست کہلاتی ہیں برقعے سروں پر ڈال کر خون دینے گھروں سے باہر نکل پڑیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جن کا بیٹا، یا بھائی یا کوئی اور عزیز کسی محاذ پر دشمن سے برسرپیکار ہے اور وہ بھی ہیں جو محض پاکستان کی فتح کے لئے پاکستان کی باعزت زندگی کے لئے اپنا خون دے رہی ہیں۔ اسکول، کالج اور یونی ورسٹی کی لڑکیوں کی تو وہ بھرمار ہے کہ ان کا وارہی نہیں آتا۔ کم عمر بچے اور بچیاں بھی جوش و خروش میں خون دینے پہنچ گئی ہیں۔ ڈاکٹر انہیں پچکار پچکار کر واپس بھیج رہے ہیں۔ بچے ٹھنکنے لگتے ہیں تو انہیں سمجھانا ڈاکٹر کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ بڑے چھوٹے سب ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کا خون بہہ رہا ہے، ہمارا خون انہیں بھیج دو۔ شاید ہمارے خون سے کسی کی جان بچ جائے۔ پاکستانیوں کا یہ خون رنگ لائے پر لائے۔ انہیں سرخروئی حاصل ہوگی اور دشمن کا منہ کالا ہوگا۔

لڑکیاں اور خواتین فوری امداد اور شہری دفاع کی تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ ہر اسکول اور کالج اور یونی ورسٹی میں اس کا انتظام کیا گیا ہے۔ نرسنگ کا کام سیکھ رہی ہیں۔ رائفل چلانے کی مشق کر رہی ہیں۔ اُن گھروں میں جا رہی ہیں جن کے پیارے کسی محاذ پر پاکستان کے لئے سربکف ہیں۔ انہیں دلاسے دے رہی ہیں۔ ان کے حوصلے بڑھا رہی ہیں۔ مرد ایسے گھروں کی خبر گیری کر رہے ہیں حسب توفیق

اُن کی خدمت کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ وہ ہمارے ہی لئے تو دشمن سے لڑ رہے ہیں۔

جو لوگ دفتروں میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اتوار کی چھٹی موقوف کر دی ہے۔ ہنگامی حالات ہیں اس لیئے ان کی نظر گھڑی پر نہیں رہتی کام پر رہتی ہے۔ کام بڑھ گیا ہے تو انہوں نے وقت بڑھا دیا ہے۔ انہی کے تو بھائی بند ہیں جو پاکستان کے مختلف محاذوں پر دشمن کا منہ توڑ رہے ہیں۔ ضرورت کی چیزیں بنانے والے کارخانے دن رات چوبیس گھنٹے کام کر رہے ہیں۔ مل مزدوروں نے طے کیا ہے کہ روزانہ دو گھنٹے اوور ٹائم کریں گے اور اس کی آمدنی جنگی فنڈ میں دیتے رہیں گے۔

سب سے حیرت انگیز تبدیلی پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں میں ہوئی ہے۔ اہلِ قلم عموماً اپنی ایک خیالی جنت میں رہتے ہیں۔ مگر جنگ نے خیال اور تصور کی دنیا میں رہنے والوں کو بھی چونکا دیا ہے، ان کی آنکھیں اب بجائے اندر دیکھنے کے باہر دیکھنے لگی ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں کی ذہانت و ذکاوت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، انہوں نے فوراً حقیقت حال کو سمجھ لیا اور دل کے ساتھ دماغ سے بھی کام لینا شروع کر دیا۔ یا تو گل و بلبل اور محبوب و رقیب کی باتیں کیا کرتے تھے یا ان سب کو بالائے طاق رکھ کر اسلاف کے کارنامے سنانے لگے۔ اسلامی تاریخ کے کارنامے دہرانے لگے۔ شاعروں نے ولولہ انگیز نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ ایسے ترانے لکھے جن سے اسلامی جوش و خروش میں اضافہ ہو، پاکستان کا بول بالا ہو، قوم میں اتحاد و استحکام پیدا ہو، عمل کی تحریک ہو۔ موسیقاروں نے ان ترانوں کو

نغموں کے قالب میں ڈھالا۔ قلم اور طاؤس و رباب نے مل کر شمشیر و سناں کو مزید قوت بخشی، جہاد بالسیف تو ہو ہی رہا تھا۔ جہاد بالقلم بھی شروع ہو گیا۔ نوکِ قلم برچھی کی اَنی بن گئی۔ ادیبوں اور شاعروں کی طرح فن کاروں نے بھی ایک نیا رُخ اختیار کیا۔ ان کے راگ اب تھپک کر سلاتے نہیں، جھنجھوڑ کر سونے والوں کو جگانے لگے۔ نیند کے ماتوں میں حقیقت کی بیداری پھیل گئی۔ پاکستان کا ہر فرد جاگ رہا تھا اور چوروں کی طرح گھس آنے والے دشمن پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا۔ قومی، نسلی، علاقائی، فرقہ داری اور عقائد کے اختلافات سب ختم ہو گئے تھے۔ جنگ نے سب کو متحد و متفق کر دیا تھا۔ اب سب پاکستانی تھے، جو پاکستان کے لئے اپنی جان دینے کو تیار رہتے، ایمان نے ان کے دلوں کو ایک کر دیا تھا۔ پانچوں انگلیاں جب مل جاتی ہیں تو گھونسہ بن جاتی ہیں، اور یہ گھونسہ دشمن کا جبڑا توڑ دیتا ہے۔

پاکستان کے اخباروں نے اپنے ادبی حصے ختم کر دیئے اور ادیبوں اور شاعروں کی ولولہ انگیز نگارشات کے لئے جگہ نکالی۔ خبروں میں کسی قسم کی مبالغہ آمیزی نہیں کی۔ عوام کو حقیقی حالات سے صبح و شام آگاہ کرتے رہے۔ حکومت نے خبروں پر کوئی روک نہیں لگائی۔ حکام نے اس مرحلے میں نہایت دانشمندی سے کام لیا کہ اخباروں پر سنسر نہیں بٹھائے۔ رعایا کو جنگی محاذوں کی صحیح خبریں ملتی رہیں۔ اہلِ پاکستان کو معلوم ہوتا رہا کہ ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے اور بھارت میں کیا ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنی کامیابیوں کے ساتھ اپنی ناکامیوں اور نقصانات کی بھی سب اطلاعیں ملتی رہیں۔ لڑائیوں میں بھارت کے نقصانات کے ساتھ پاکستان کے نقصانات سے بھی ہم باخبر رہے جو حکومت اپنے عوام سے حقیقت کو چھپاتی ہے وہ اپنے عوام

کو دھوکہ دیتی ہے۔ فریب دیتی ہے اور خوش فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا کرتی ہے۔ پاکستانی اخبارات نے نہایت دیانت داری سے خبریں شائع کیں۔ جنگ شروع ہونے سے چند مہینے پہلے حکومت نے پاکستانی صحافیوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ وہ خود اپنے لئے ایک ضابطۂ اخلاق بنا لیں تاکہ حکومت کو انہیں روکنا ٹوکنا نہ پڑے۔ پاکستانی اخبار نویسوں کا عمل اسی ضابطۂ اخلاق پر ہے۔ ہر صحافی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے اور ہماری صحافت بہت سی اُن خرابیوں سے پاک ہو گئی جو بھارت کے اخباروں میں روز افزوں ہیں۔ غلط بیانی اور شیخی کی باتیں کرنا یا ڈینگیں مارنا ہمارے اخباروں کا شیوہ نہیں ہے۔ جنگ کی خبروں میں افراط و تفریط مصلحت وقت کے مطابق ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ہوتی رہتی ہے۔ مگر بس اتنی جتنا آٹے میں نمک۔ مگر بھارت کے سب سے بڑے ذریعۂ اطلاعات، آل انڈیا ریڈیو نے تو حد کر دی کہ نمک میں آٹا ملاتا چلا آ رہا ہے۔ بھارت کے اخبار بھی اسی اصول پر خبریں گھڑتے ہیں۔ ہمارے اخبار تو اپنی خبر کے ثبوت میں تصویریں بھی شائع کرتے ہیں۔ مثلاً کھیم کرن پر جب پاکستانی افواج کا قبضہ ہو گیا تو کھیم کرن کی چیک پوسٹ پر پاکستانی جھنڈا لہراتا اور پاکستانی حفاظتی دستے کو تصویر میں موجود دکھایا ہے مگر بھارت اس پر بھی یہی کہتا رہا کہ کھیم کرن بھارت کے پاس ہے۔ بھارت کی ایسی ہی غلط بیانیوں پر غیر ملکی رپورٹروں کو کہنا پڑا کہ بھارت کی خبریں جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہیں۔ بھارت میں تمام خبریں حکومت کی چھلنی میں چھن کر اخباروں میں آتی ہیں۔ آج جس خبر کو بھارت کے اخبارات بڑے طمطراق سے شائع کرتے ہیں کل وہ غلط ثابت ہو جاتی ہے خود بھارت کے بعض بڑے اخباروں نے۔ مثلاً ہندوستان ٹائمز نے، حکومت کی اس روش پر نکتہ چینی کی ہے۔ اور غیر ملکی اخبارات تو بھارت کی خبروں کا بھانڈا پھوڑتے ہی رہتے ہیں

سیالکوٹ کی شہری آبادی پر بھارت نے جو اندھا دھند بمباری کی ہے اس کی تصویریں ہمارے اخبارات میں آچکی ہیں۔ مگر بھارت اب بھی کہہ رہا ہے کہ ہم نے شہر پر بمباری نہیں کی۔ تصویروں کے علاوہ پاکستانی ارباب اختیار نے اس کا بھی انتظام کیا کہ ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کو محاذوں پر لے جا کر انہیں بچشم خود سب کچھ دیکھنے اور فوجیوں سے بات چیت کرنے کی سہولتیں مہیا ہوں۔ بھارت نے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا ورنہ بھانڈا پھوٹ جاتا اور بھارت کے خود ساختہ طلسم کے ٹکڑے اُڑ جاتے۔

اطلاعات کا سب سے بڑا ذریعہ ریڈیو ہے جس کا چرچا گھر گھر ہو گیا ہے۔ بلکہ جب سے کم قیمت کے ٹرانزسٹر نکل آئے ہیں چلتے پھرتے بھی لوگ پروگرام سنتے رہتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان نے ۶ ستمبر سے (جس دن بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا)، حیرت ناک طور پر اپنے تمام پروگراموں کو بدل دیا۔ موقع اور ماحول کی مناسبت سے یہ تبدیلی ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو پاکستان والوں کے ہاتھ کہیں سے چراغ علاءالدین لگ گیا کہ دم کے دم میں انہوں نے تمام پروگراموں کی شکل ہی بدل ڈالی۔ فلمی ریکارڈ اور کچے پکے ہر قسم کے گانے یک قلم موقوف ہو گئے اور ان کے بدلے ایسے ترانے جنگی موسیقی کے انداز میں پیش کئے جانے لگے جن سے سننے والوں میں ولولہ پیدا ہو، وطن سے محبت میں اضافہ ہو، افواج سے ہمدردی پیدا ہو، ملک اور قوم کے لئے ایثار اور قربانی کی امنگ دلوں میں جگہ پائے۔ یہ ترانے ہمارے شاعروں نے لکھے، وہی شاعر جو عشق و محبت کے راگ الاپتے تھے، وطن کی عظمت، پاک سرزمین کی عصمت ماضی کے شاندار کارناموں اور حال کی شاندار کامیابیوں کے گیت گانے لگے۔ ہمارے ادیبوں نے ڈرامے، فیچر اور تقریریں لکھ کر ہر شخص کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا

کر دیا کہ وہ دشمن کو نیچا دکھانے پر تُل گیا۔ افراد محسوس کرنے لگے کہ وہ ایک خدا کے بندے، ایک پیغمبرؐ کے اُمتی، ایک مذہب کے پیرو، ایک وطن کے باشی، ایک قوم کے افراد، اور ایک لیڈر کے پیروکار ہیں۔ جنگ کی خبروں نے قومی تعمیر کا وہ کام کیا جو شاید برسوں میں بھی مکمل نہ ہوتا۔ کلامِ اقبالؒ کی اسلامی روح اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ دلوں میں بس گئی۔ صدر ایوب کی پہلی تقریر نے بجلی کے کڑکے کی طرح جہاں دلوں کو ہلا کر رکھ دیا وہاں انہیں مرکزِ مہر و وفا بھی بنا دیا۔ اخوت کا سمندر موجزن ہو گیا اور پوری قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اُبھر کھڑی ہوئی۔ ریڈیو پاکستان نے چار کے بجائے سات بار خبریں نشر کرنی شروع کر دیں۔ یوں عوام کو دم بدم جنگ کی خبریں ملتی رہیں۔ عوام کو ضروری ہدایات بھی ریڈیو پاکستان ہی سے ملتی رہیں۔ مثلاً بلیک آؤٹ میں کیا کرنا چاہئے۔ بمباری کے وقت کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ فوری امداد کیسے کی جا سکتی ہے۔ افواہوں کی روک تھام، قومی اور معاشرتی خدمات۔ امداد و اتحادِ باہمی۔ غرض ہر ضروری موضوع پر بیش بہا ہدایات ریڈیو سے ملتی رہیں۔ قوم نے ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا۔ مثلاً بلیک آؤٹ کی تاریک راتوں میں کیا مجال کہ کہیں سے روشنی کی رمق بھی دکھائی دے جائے۔ اور جب ایک رات کو ریڈیو پاکستان نے یہ اعلان کیا کہ دشمن نے کراچی کے مضافات میں چھتری فوج اتار دی ہے اور عوام مشتبہ اشخاص کو گرفتار کرنے میں پولیس کا ہاتھ بٹائیں تو کراچی کے جوشیلے عوام اُسی وقت رات کے اندھیرے میں لاٹھیاں لے لے کر گھروں سے نکل پڑے اور اخباروں سے معلوم ہوا کہ دو تین دن ہی میں ان تباہ کاروں کو پبلک نے دھر لیا، اور حسبِ ہدایت انہیں اپنے اپنے قریب کے تھانوں میں پہنچا دیا، اور کراچی کو یہ چھتری والے ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ ریڈیو پاکستان کے کارکن

ادیب، شاعر، موسیقار، صداکار ہر وقت حاضر اور اپنا فرض پورا کرنے کے لئے موجود رہتے تھے۔ ہمیں ایسے کارکنوں کا علم ہے جنہوں نے اپنے گھر جانا چھوڑ دیا تھا اور چوبیس گھنٹے ریڈیو اسٹیشن ہی میں رہتے تھے کہ نہ جانے ان کی کس وقت ضرورت پڑ جائے۔ سننے والے آوازوں کو پہچان گئے تھے اور متعجب ہوتے تھے کہ صبح سے رات گئے تک یہ لوگ اس مستعدی سے کیسے کام کرتے ہیں۔ ان صداکاروں میں سرفہرست عبدالماجد تھے جو طرح طرح کی آوازیں بنانے میں کمال رکھتے تھے اور پروگراموں میں ان کی آواز سے جان پڑ جاتی تھی۔ ایک رات کو گیارہ بجے جب وہ رات کے اندھیرے میں اپنے گھر جا رہے تھے تو ان کی گاڑی کو سانحہ پیش آگیا اور ان کے سر میں کئی ٹانکے لگے۔ مگر اگلے دن سر پر پٹیاں بندھے ماجد اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ ان سے کہا گیا کہ آرام کریں مگر انہوں نے کہا کہ مجھے کام کرنے ہی میں آرام ملتا ہے۔ اس سانحہ کے دو تین دن کے بعد یہ ہوا کہ اندھیرے میں ان کے کوارٹر پر بجلی کا تار ٹوٹ کر گر گیا۔ ان کا بچہ کسی کام سے باہر نکلا تو تار میں اُلجھ گیا۔ اس کی چیخیں سن کر ماجد بھاگے۔ بچے کو تو انہوں نے کھینچ کر تار سے الگ کر لیا مگر خود تار کی لپیٹ میں آگئے اور آناً فاناً اللہ کو پیارے ہو گئے!

ریڈیو پاکستان کی اعلیٰ کارکردگی پر صدر ایوب نے مرکزی سیکرٹری اطلاعات و نشریات الطاف گوہر صاحب کو ہدایت فرمائی کہ پاکستان کے تمام ریڈیو اسٹیشنوں پر خود جاکر وہاں کے کارکنوں، ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کو شکریہ رئیس ریاست کی طرف سے ادا کریں۔ بھارت کے پردھان منتری شاستری جی نے لوک سبھا میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ریڈیو پاکستان سے یکسر بدلے ہوئے جو پروگرام ہو رہے ہیں ان کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جنگ شروع ہونے سے بہت پہلے یہ سب پروگرام تیار کر لئے گئے تھے

اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان بہت پہلے سے بھارت پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اس سے بڑھ کر ریڈیو پاکستان کی کارکردگی اور مستعدی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ دشمن ملک کا وزیر اعظم یہ کہے کہ یہ پروگرام تو مہینوں پہلے بنائے گئے تھے حالانکہ یہ پروگرام دن کے دن ہر روز بنائے گئے اور بنائے جا رہے ہیں۔ شاستری جی کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ یہ سب کرشمہ ہے روحِ جہاد کا، جذبۂ ایمانی کا، جو ایک لادینی ملک کے بے دین افراد میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا، جس سے ناحق اور باطل کے لئے لڑنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ شاستری جی کا یہ سمجھنا کہ یہ نتیجہ ہے طویل المیعاد منصوبہ بندی کا اس لئے تعجب انگیز نہیں ہے کہ آل انڈیا ریڈیو باوجود اپنے ۳۴- اسٹیشنوں کے اس کے شمہ برابر بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ البتہ ایک سمت میں آل انڈیا ریڈیو کی فوقیت کو تسلیم کیا ہے۔ ریڈیو پاکستان کی حق گوئی سے گھبرا کر بھارت کی حکومت نے ریڈیو پاکستان سننا نہ صرف ممنوع قرار دیا ہے بلکہ اسے ایک قابلِ سزا جرم بنا دیا ہے۔ پاکستان میں آل انڈیا ریڈیو کے سننے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ اس کی ایک نیوسنس ویلیو ہے جس سے اہلِ پاکستان "لطف اندوز" ہوتے ہیں۔ مثلاً آل انڈیا ریڈیو کہتا ہے پاکستانی طیاروں نے دلّی اور بمبئی پر بمباری کی، اور وزیر اطلاعات و نشریات شری متی اندرا گاندھی (پنڈت نہرو کی صاحبزادی) فرماتی ہیں کہ دلّی اور بمبئی پر بمباری نہیں ہوئی۔ راشٹرپتی اور پردھان منتری کہتے ہیں کہ بھارت امن کا علم بردار ہے، مگر لڑنے کے لئے کبھی چین کی سرحدوں میں گھس جاتا ہے اور کبھی چپکے سے پاکستان پر حملہ کر دیتا ہے۔ بھارت اسے امن پسندی سمجھتا ہے کہ کشمیر کو کشمیریوں کی مرضی کے خلاف اس نے سترہ سال سے دبا رکھا ہے اور نہتے کشمیریوں کا قتلِ عام کر رہا ہے۔ اور کشمیر کے سینکڑوں دیہاتوں کو جلاتا چلا جا رہا ہے، آبادیاں اُجاڑی جا رہی

ہیں، مال و متاع لوٹا جا رہا ہے، آبروئیں برباد کی جا رہی ہیں، لادینی حکومت مسلمانوں کا خون پی رہی ہے، اچھوتوں کو برباد کر رہی ہے، سکھوں کو پنجابی صوبے کا سبز باغ دکھا رہی ہے اور پنجابی صوبے کا وزیر اعلیٰ برملا کہہ رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ناگالینڈ کے عیسائیوں کو اُن کے حقِ خود ارادی سے محروم کر رکھا ہے۔ سیلون، برما، چین، بھوٹان سکم، کشمیر اور پاکستان کسی پڑوسی ملک سے بھارت کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ کیا امریکہ سے بے تحاشا اسلحہ حاصل کرنا اور فوجوں کی تعداد اس قدر بڑھانا کہ بھارت میں کال پڑ جائے قیامِ امن کے لئے ہے؟ چین پر حملہ اور پاکستان پر حملہ کیا قیامِ امن کہلاتا ہے؟ قیامِ امن کی مدعی اقوامِ متحدہ نے جب بیچ میں پڑ کر فائر بندی کرا دی تو بیس دن میں بھارت نے ایک سو دس خلاف ورزیاں کیں۔ کیا اسی کا نام امن پسندی ہے؟ قیامِ امن کے لئے اقوامِ متحدہ نے جو مبصر بھیجے اُن کے اخراجات دینے سے بھارت نے صاف انکار کر دیا۔ کیا اس لئے کہ یہ مبصرین امن قائم کرنے کے لئے آئے ہیں؟ بھارت چونکہ بے دین ہے اس لئے بداخلاق بھی ہے۔ جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اس کا کوئی اخلاق نہیں ہوتا۔ امن اور جنگ دونوں کے کچھ اخلاقی ضابطے ہیں، مگر ان ضابطوں کی پابندی وہی کر سکتے ہیں جن کا کوئی مذہب بھی ہو۔ جنگ کا پہلا ضابطۂ اخلاق یہ ہے کہ جنگ کرنے سے پہلے اعلانِ جنگ کیا جائے۔ بھارت نے کوئی اعلان نہیں کیا اور راتوں رات پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہو کر لڑنا شروع کر دیا۔ صدر ایوب نے دورانِ جنگ کی پہلی تقریر میں اس خلافِ ضابطہ حرکت کی طرف اشارہ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ بھارت سے ہماری جنگ شروع ہو گئی ہے۔ مگر بھارت کے پردھان منتری نے جو پہلی تقریر کی اس میں فرمایا کہ "ہم اپنے تحفظ کے لئے پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے ہیں۔ ہم پاکستان

سے جنگ نہیں کر رہے۔ ہاں صدر ایوب نے جنگ کا اعلان کیا ہے۔" فوجی ٹھکانوں کے بدلے نہتے شہریوں پر بمباری کرنا ایک بڑا جنگی جرم ہے مگر بھارت نے قصور اور سیالکوٹ کے شہروں کو اپنے بموں سے کھنڈر بنا دیا۔ مسجدیں شہید کر دیں۔ ہسپتالوں کو اڑا دیا۔ بھارت پاکستان کی ایسی مجرمانہ کارروائی کی ایک بھی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ اگر حسنِ سلوک ممکن نہ ہو تو بدسلوکی بھی نہیں کی جاتی۔ مگر بھارت کے پاس خود کھانے کو نہیں ہے تو جنگی قیدیوں کو کہاں سے کھلائے؟ لہٰذا حال ہی میں ۱۲۰ پاکستانی جنگی قیدیوں کی لاشیں ایک محاذ پر ایسی ملی ہیں کہ ان شہیدوں کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور ان کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔ دلّی میں پاکستانی ہائی کمیشن کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ بربریت کی یاد دلا رہا ہے۔ بین الاقوامی دستور کی رُو سے سفارت خانوں کو خاص مراعات حاصل ہوتی ہیں، اور اختلاف یا جنگ کی صورت میں بھی ان کے ساتھ کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی جاتی۔ مگر پاکستان کے ہائی کمیشن میں جو سات سو مسلمان اس وقت موجود ہیں اُن کے ساتھ جیل میں بند مجرموں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کے ٹیلیفون کاٹ دیئے گئے ہیں۔ ان کا پانی بند کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کو دودھ نہیں مل رہا۔ مہتر، دھوبی، نائی، کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ بھارت کا یہ سلوک جب سفارت خانے کے عملے کے ساتھ ہے تو اس سے اُن ہزاروں پاکستانیوں کی حالت کا اندازہ لگائیے جو آغاز جنگ سے پہلے کسی شدید ضرورت کے تحت ویزا لے کر بھارت گئے تھے اور جب جنگ چھڑ جانے کے باعث وہاں سے اُن کے واپس آنے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ ان کے ساتھ نازی قیدخانوں سے بھی بدتر سلوک ہو رہا ہے۔ بلکہ جن لواحقین سے ملنے گئے تھے انہیں بھی پاکستانی جاسوس ٹھہرا کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جا رہی ہیں۔ یہ ساری خرابیاں لادینی کی ہیں۔ پاکستان میں

جو ہندوستانی آئے ہوئے تھے اُن پر کسی قسم کا جبر و تشدد نہیں ہو رہا۔ ان پر پولیس کی نگرانی تک نہیں ہے۔ یہ ہندوستانی جن کے مہمان ہیں، یا جن کے ہاں یہ مقیم ہیں انہی کو ان کی ذمہداری سونپ دی گئی ہے۔ یہ سلوک ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا، دیندار وں کے ملک کا، اُس قوم کا جس کا مذہب مجبور دشمن کے ساتھ بھی بدسلوکی کو روا نہیں رکھتا۔

بھارت کے تعلقات پڑوسی ملکوں سے تو خراب ہی ہیں، بعض دور کے ملکوں سے اُسے خدا واسطے کا بَیر ہے۔ مثلاً انڈونیشیا، فلپینز، الجزائر، اردن، سعودی عرب، لبنان، برطانیہ اور فرانس وغیرہ سے۔ یہ اس لئے کہ یہ ملک حق پسند ہیں۔ کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے کہتے ہیں۔ مطالبۂ پاکستان کی طرفداری کرتے ہیں۔ جھوٹ بول کر یا ناطرفداری کر کے بھارت کی ہمنوائی نہیں کرتے۔ امریکہ اور روس کے کھونٹے پر بھارت کا بچھڑا اچھل کود دکھا رہا ہے۔ اور یہ چار چوس بھی کچھ ہی دنوں کی ہے۔ جھوٹے کا ساتھ کوئی کب تک دے گا۔ پاکستان سے سترہ دن کی جنگ ہی میں بھارت کے امریکی ہتھیار بہت کچھ ختم ہو گئے ہر محاذ پر شکست کھانے کے بعد بھارتی فوجیں ڈھیروں ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ حد ہے کہ بعض امریکی ہتھیاروں کا استعمال بھی بھارتی افواج کو نہیں آتا۔ اب بھارت امریکہ سے مزید ہتھیار طلب کر رہا ہے لیکن شاید امریکہ یہ سوچ رہا ہے کہ بھارت کو ہتھیار دے، بھارت انہیں جنگی محاذوں پر چھوڑ جائے اور پاکستان انہیں حاصل کر لے تو کیوں نہ پاکستان کو براہ راست ہتھیار دے کر پاکستان کو ممنون کرے؟ امریکہ کے اس تذبذب کو بھانپ کر بھارت نے دھمکی دی ہے اگر تم نے ہمیں ہتھیار نہیں دیئے تو ہم تم سے گیہوں بھی نہیں لیں گے اور روس سے تعلقات بڑھا لیں گے۔ بھارت کی جنتا بھوکی مر رہی ہے اور بھارت کے حکمران کہہ رہے ہیں کہ چاہے ساری جنتا ختم ہو جائے تم ہمارا پیٹ ہتھیاروں سے بھر دو۔

جس ملک کے آقایانِ جنگ اپنی رعایا کو جوتی کی نوک پر مارتے ہوں اس کا حشر کیا ہوگا؟ یہ بھی بہت جلد سامنے آجائے گا۔

آل انڈیا ریڈیو کے جھوٹ کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ تازہ ترین گپ یہ ہے کہ جب انڈونیشیا میں بغاوت ہوئی تو بھارت نے اس خبر کو خوب اچھالا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا شروع کیا کہ صدر سوئیکارنو لاپتہ ہیں۔ خیال ہے وہ مارے گئے۔ مگر دوسرے ہی دن اطلاع آگئی کہ صدر سوئیکارنو زندہ سلامت ہیں اور یہ بغاوت فرو ہوگئی ہے اور بڑی بے غیرتی کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو نے بھی اس خبر کو نشر کیا۔ صدر سوئیکارنو کو بھارت نے اپنی جانب میں تو مار ہی ڈالا تھا مگر اس کے من کی یہ اِچھا پوری نہیں ہوئی۔ صدر سوئیکارنو اور ان کا ملک اس لئے گردن زدنی ہے کہ سولہ آنے پاکستان کے ساتھ ہے۔ بدفطرت، بدخواہ، بدنیت اور بدخبرے بھارت سے اور کیا توقع کی جا سکتی تھی؟ شاستری جی! اپنی خیر منائیے۔ اپنے گھر کی خبر لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو ہاتھ مل مل کر کہنا پڑے کہ

ع۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بھارت پیٹ کی آگ میں جل رہا ہے، جنگ کی آگ میں جھلس رہا ہے، کیا بھارت کی ارتھی جلا کر ہی صبر آئے گا؟

بھارتی سرکار نے ابھی ابھی ایک نئی تحریک شروع کی ہے جسے شاستری جی کی اشیرواد بھی حاصل ہے۔ وہ یہ کہ ایک وقت کھاؤ اور ہفتے میں ایک دن فاقہ کرو۔ اور چور بازار والوں سے اپیل کی گئی ہے کہ غلّہ نہ چھپائیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ بھارت میں چور بازار موجود ہے، اور چور بازار میں غلّہ موجود ہے، اور بھارتی حکومت

اتنی بے بس ہو چکی ہے کہ بھارت بھوکا مر رہا ہے اور چور بازار سے غلّہ برآمد نہیں کر سکتا۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہاں کی انتظامیہ بالکل ناکارہ ہو چکی ہے؟ فوج پہلے ہی بد دل ہے، سیول کی بے دست و پائی کا یہ عالم ہے، جنتا بھوکی مر رہی ہے، غیر ملکی زرِ مبادلہ کا دیوالہ نکل چکا ہے، ملک کا سارا سونا حکومت نے چھین کر امریکی ہتھیاروں کی بھینٹ چڑھا دیا، اندر خانے پھوٹ پڑی ہوئی ہے، خود شاستری جی کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں ہم اکیلے رہے جا رہے ہیں! کشمیر اپنی آزادی چھینے لے رہا ہے، پاکستان کو دبا لینا چاہا تھا تو پاکستان نے اُلٹی گندی کر دی۔ اگر یہی شب و روز رہے تو بھارت کے دن کا؟

ع اگر ماند شبے ماند، شبے دیگر نمی ماند

بھارت کے بُرے دن آئے سمجھو۔

جہاں جہاں بھارتی فوجیں آگے بڑھی ہیں اُن علاقوں کا تہس نہس ہو گیا ہے گھروں میں آگ لگا دی گئی۔ مال و متاع سب لوٹ لیا گیا۔ آبادی کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ہر سو کھنڈر اور ویرانے ہیں۔ الطاف گوہر صاحب سکریٹری اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان نے ایک محاذ کے ایسے ہی اُجڑے پاکستانی دیہات کا دردناک واقعہ بیان کیا ہے کہ صبح کاذب قریب تھی کہ بستی کے لوگ توپوں کے دھماکوں سے جاگ پڑے، انہیں اطلاع ملی کہ بھارتی فوجیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ گاؤں والوں نے اپنے بھرے پُرے گھر یونہی چھوڑ دیئے اور عورتوں اور بچوں کو لے کر بھاگنے لگے۔ مگر بستی کے مؤذن نے حسبِ دستور اذان دی، بستی والوں نے مؤذن کو بتایا کہ نماز پڑھنے کا موقع نہیں ہے۔ دشمن سر پہ آ پہنچا ہے۔ اپنی جان بچاؤ۔ مؤذن نے کہا: "ساری عمر میرا اور اس مسجد کا ساتھ رہا ہے ہیں

اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔ تم جاؤ، میں یہیں رہوں گا" سب چلے گئے، مؤذن وہیں بیٹھا رہا۔ اور تھوڑی دیر بعد بھارتی سورما آپہنچے۔ مؤذن سے انہوں نے پوچھا۔ پاکستانی فوجیں کہاں ہیں؟ مؤذن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سورماؤں نے اُسے ٹھوکریں ماریں، گھونسے مارے۔ مگر مؤذن پھر بھی نہیں بولا تو ایک سورما نے اس پر رائفل تانی، اور مؤذن نے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھا، سورما کی گولی اس کے سینے کے پار ہو گئی اور مؤذن مسجد میں ہی شہید ہو گیا۔ بھارتیوں کا تو یہ سلوک ہے پاکستانیوں کے ساتھ، اور پاکستانی افواج نے جن علاقوں پر قبضہ کیا سب سے پہلے حکم دے دیا کہ فوجی لوٹ مار نہ کریں۔ فاقوں سے نیم جان دیہات والے کہتے ہیں کہ ہمیں کھانے کو کچھ دو۔ انہیں کھانا ملنے لگتا۔ دیہات والے اصرار کرتے کہ اب ہمیں دوبارہ بھارت کے حوالے مت کرنا۔ انہوں نے تو ہمارا سب کچھ چھین لیا اور ہمیں بھوکا مار دیا۔

بھارت کے جنگی آقا کہتے ہیں کہ ہم نے شہری آبادیوں پر بم نہیں گرائے۔ اور ثبوت میں لاہور کی مثال پیش کرتے ہیں۔ لاہور پر بم گرانے کا انہیں موقع ہی کب ملا؟ انہیں تو زمین اور ہوا دونوں جگہ ایسا پسپا کیا گیا کہ آج تک اپنے زخموں کو چاٹ رہے ہیں۔ ایک دفعہ دن دہاڑے لاہور پر ان کے چار طیارے آگئے تھے تو فوراً ہی ہمارے دو طیارے ان کے مقابلے کو پہنچ گئے تھے اور زندہ دلانِ لاہور اس فضائی لڑائی کو دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل آئے تھے۔ حالانکہ سائرن سننے کے بعد انہیں دبک جانا چاہیے تھا مگر لاہور والے طیاروں کی لڑائی کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے تکلوں کے پیچ ہو رہے ہوں اور لڑکے اس انتظار میں ہوں کب کوئی تکل کٹے اور کب وہ اُسے لوٹنے دوڑ پڑیں۔ دشمن کے چار طیاروں میں سے ایک کو مار گرایا اور ایک سرحد پار کرتا ہوا دکھائی دیا دو جان بچا کر

بھاگ گئے۔ تماشائی دوڑ پڑے اور گرنے والے طیارے کے پرخچوں کو اس طرح اٹھالائے جیسے کہیں تبرک بٹ رہا ہو۔ لاہور والوں کا اس موقع پر گھروں سے سیر دیکھنے نکل آنا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ دشمن کے طیارے ان پر بوچھاڑ کرسکتے تھے۔ ہمارے لڑاکا طیارے حملہ آوروں پر کھل کر اس لئے گولیاں نہیں چلا سکے کہ نیچے اپنی ہی پبلک کھڑی تھی۔ ورنہ ان چار طیاروں میں سے ایک بھی بچ کر واپس نہ جاتا۔ اب بھارت اپنی بریت میں یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھ لو ہم نے لاہور پر کوئی بم نہیں گرایا۔ پھر وہی مثل کہنے میں آتی ہے کہ انگور کھٹے ہیں! جنگ کی وجہ سے پاکستان میں کسی قسم کا خوف و ہراس نہیں پھیلا۔ لاہور والے لاہور میں ڈٹے رہے۔ بھارت میں جب انبالے کے ہوائی اڈے کو تباہ کیا گیا تو دلّی تک سے جنتا بھاگنے لگی تھی، اور جب دوارکا کو پاکستانی بحریہ نے ختم کیا تو بمبئی اور پونا میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور جو قوم موت سے نہیں ڈرتی اُسے کوئی زیر نہیں کرسکتا۔ مشرقی پاکستان کے بسنے والوں نے من اور دھن سے اپنے مغربی پاکستان والے بھائیوں کی بیش از بیش مدد کی۔ مگر انہیں اس کا افسوس ہے کہ وہ تن سے مدد نہیں کرسکے یعنی مغربی پاکستان میں پہنچ کر مجاہدوں کے شانہ بشانہ میدان جنگ میں نہیں لڑسکے۔ اخوت و اتحاد کے اس جذبے کو باؤلی ہنڈیا جیسی قوم یا ست بیچارے سمجھ ہی نہیں سکتے۔

اقوام متحدہ کا ادارہ اپنے مقاصد کے اعتبار سے دنیا کا اہم ترین ادارہ ہے لیکن اس کے بعض ممبروں کی بالادستی نے اس کی فعالیت کو مجروح کر دیا ہے، اور انہی کے ہاتھوں اس کا وہی انجام ہوتا دکھائی دیتا ہے جو لیگ اقوام کا ہوا۔ چند بڑے ملکوں کی اجارہ داری اسے لے ڈوبے گی۔ سترہ سال پہلے سلامتی کاؤنسل ہی نے کشمیر کی جنگ آزادی کو روکنے کے لئے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ جنگ فوراً روک دی جائے، کشمیر کی قسمت کا فیصلہ استصواب

رائے سے کیا جائے گا۔ استصواب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو گا، اور پاکستان اور بھارت رائے شماری کی تکمیل میں مدد دیں گے۔ مگر بھارت نے جنگ بندی کے بعد قدم قدم پر اڑچن ڈالی اور رائے شماری کی نوبت نہ آنے دی۔ بھارت نے پہلے تو مہاراجہ سے اپنے حق میں دست برداری لکھوائی، اس کے بعد ایک نقلی رائے شماری کر کے گویا کھیا میں گڑ پھوڑ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بھارت نے رائے شماری بھی کرا لی، اب کشمیر ہمارا ہے۔ کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ نے اس پر احتجاج کیا تو انہیں ان کے دوست پنڈت جواہر لال نہرو نے جیل میں ٹھونس دیا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک بھارت نے اپنی بے اندازہ فوجیں کشمیر میں بھیج کر کشمیریوں کو کچلنا اپنا شعار بنا لیا۔ مگر کشمیریوں کا جذبۂ آزادی ابھرتا ہی گیا۔

بھارت نے جب اپنی یہ پالیسی کامیاب ہوتے نہیں دیکھی تو کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے کی چال چلی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ حصہ ہے، اور اب کشمیر کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پاکستان نے بار بار اقوام متحدہ کو کشمیر کا معاملہ طے کرانے کے لئے قرارداد کی یاد دہانی کی مگر اقوام متحدہ معذور رہی۔ حد یہ ہے کہ جب پاکستان کے وزیر خارجہ نے جنگ سے پہلے آخری بار سلامتی کاؤنسل کو کشمیر کی طرف متوجہ کیا۔ تو کاؤنسل نے اتنی بے رخی برتی کہ ایک قرارداد کے کاغذ کا پرزہ تک انہیں نہیں دیا۔ اور جب کسی طرف سے شنوائی کی اُمید نہیں رہی تو کشمیر کے مجاہدوں ہی نے اپنی آزادی خود حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ انہیں آزادی دلانے کا وعدہ بھارت، اقوام متحدہ اور پاکستان نے سترہ ۱۷ سال پہلے کیا تھا۔ بھارت تو غاصب تھا، وہ بھلا آزادی کیوں دلاتا؟ اقوام متحدہ نے اپنا ایک کان بہرا اور ایک گونگا کر لیا تھا۔ پاکستان نے البتہ اپنے وعدہ کا پاس کیا اور مجاہدین کشمیر کی مدد کی۔ اور جب کشمیر میں پے در پے شکستیں کھا کر

بھارتی فوجیں پسپا ہوتی چلی گئیں اور کشمیر کو ہاتھ سے نکلتا دیکھا تو بھارت نے چپکے سے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ مگر ہر محاذ پر بھارت کو جان و مال کا سخت نقصان اٹھانا پڑا اور چھاگلہ صاحب دہائی دیتے اقوام متحدہ میں پہنچے۔ یا تو اقوام متحدہ پاکستان کی بات ہی نہیں سنتی تھی یا ایک دم سے اُس کے سکریٹری جنرل صاحب بیچ بچاؤ کرانے آ گئے۔ بھارت نے بغیر کسی شرط کے جنگ بندی منظور کر لی۔ مگر پاکستان نے اس شرط پر جنگ بند کی کہ فوجیں جہاں ہیں وہیں رہیں گی اور اقوام متحدہ کو کشمیر کا معاملہ اپنی پہلی قرارداد کے مطابق طے کرانا ہوگا۔ بھارت نے اُس وقت تو ان شرطوں کو مان لیا مگر دوسرے ہی دن اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اور پھر کہنا شروع کر دیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ حصّہ ہے۔ اب یہ مقدمہ اقوام متحدہ کے زیر غور ہے۔ نہ تو سکریٹری جنرل میں اتنی ہمت ہے کہ کھل کر کہے کہ اقوام متحدہ کی قرارداد پہلے سے موجود ہے، اس کو پورا کیا جائے۔ اور نہ با اثر ممبر امریکہ اور روس حق بات کہتے ہیں کہ ہاں ہمیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ مسٹر بھٹو نے سلامتی کونسل سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر اصل قرارداد پر عمل نہیں کیا گیا، اگر آپ حضرات نے اپنا وعدہ سترہ سال کے بعد بھی پورا نہیں کیا تو پاکستان اقوام متحدہ سے علیحدہ ہو جائے گا اور فائر بندی ختم ہو جائے گی اور جنگ پھر شروع ہو جائے گی۔ مسٹر بھٹو نے سلامتی کاؤنسل کو ایک میعاد بھی دے دی ہے، یہ نہیں کہ پھر سترہ سال تک اس تنازعہ کو بھلا دیا جائے۔ حیرت اس پر ہے کہ امریکہ اور روس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کھل کر کہیں کشمیر میں رائے شماری ہونی چاہئے۔

پاکستان حق پر ہے، حق کی حمایت کر رہا ہے۔ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے، اس لئے فتح پاکستان کو حاصل ہوگی۔ اس کی ایک جھلک دنیا نے اس سترہ دن کی جنگ میں

دیکھ لی۔ صدر ایوب نے کہا ہے کہ "بھارت نے یہ نہیں دیکھا کہ اُس نے کس قوم کو للکارا ہے۔" بھارت کو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

## پاکستان جاگ اُٹھا ہے

پاکستان زندہ باد! پاکستان پائندہ باد!

# محاذ پر ، محاذ سے دُور

(حالیہ جنگ میں عوام کا حصّہ)

محسن علی

پنڈی کے ایک دفتر کا وین ڈرائیور، نواب خاں ابھی اپنا روز کا گشت لگا کر لوٹا ہی تھا کہ اسے کسی نے بتایا بھارتی فوجیں لاہور پر چڑھ آئی ہیں۔ اسے یہ بات بتانے والے پر سخت طیش آیا اور اس نے جلدی سے اپنے ٹرانزسٹر کو بند کر دیا۔ اس کو پتہ چل گیا تھا کہ صدر ایوب خاں دن کے ۱۲½ بجے ایک خصوصی تقریر نشر کریں گے۔ وہ بے چینی سے اس وقت کا انتظار کرنے لگا۔

لاہور کی گھریلو خاتون رشیدہ اپنے گھر کے کام کاج میں روز کی طرح مصروف تھی۔ اچانک دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ جلدی سے گئی اور رسیور اٹھا کر سننے لگی۔ لیکن دوسری طرف سے کسی نے کوئی ایسا پیغام دیا تھا کہ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور رسیور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ دفتر سے اس کے شوہر نے بتایا تھا کہ کام بڑھ گیا ہے کیونکہ بھارتی فوج کی توپیں لاہور پر آگ برسا رہی ہیں۔ اور اس کے گولے باٹا پور پر برس رہے ہیں۔

ٹنڈو جام کا کسان اللہ بچایو اپنی ضروریات کے لئے سامان خریدنے اکثر

حیدر آباد آتا تھا۔ اسے حیدر آباد کے شاہی بازار کی سیر کا بڑا شوق تھا۔ وہ اس وقت شاہی بازار میں اپنی بیوی کے لئے چوڑیاں خرید رہا تھا کہ اس نے ریڈیو پہ یہ خبر سنی کہ بزدل بھارتی سینا نے راولپنڈی اور لاہور پہ بمباری کردی ہے لیکن اس نے اپنی بیوی کے لئے چوڑیاں خریدنے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔

کراچی کے ایک اخبار کا سب ایڈیٹر محمد علی صدیقی ٹیلی پرنٹر پر جھک کر ایک خبر دیکھنے لگا۔ اچانک پرنٹر پہ ایک خبر اُبھری۔ خبریں تو اس کی زندگی کا حصّہ اور روز کا کام ہی تھا لیکن نہ جانے یہ کیسی خبر تھی کہ وہ زور سے چیخا۔ "بزدل!" اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ٹیلی پرنٹر بتا رہا تھا:

"پاکستان پر بھارت کا حملہ!"

ہزاروں میل دُور ملک کے دُوسرے حصّے میں مشرقی پاکستان کی خوابناک، امن پسند سرزمین اچانک بیدار ہو گئی۔ مچھیرے، ملاح، کسان، طالب علم اور مزدور چونک اُٹھے۔ چاٹگام میں ننھی منھی زرینہ ہی کو لیجئے۔ جب اس کے گرلز اسکول کی استانی نے کلاس میں یہ بتایا کہ بزدل بھارتی حملہ آوروں نے وطن کی سرزمین پر مکّاری سے حملہ کیا ہے تو پوری کلاس پہ دیر تک سنّاٹا چھایا رہا۔ صوبے کے دارالحکومت ڈھاکہ میں سرکاری دفتر کے ایک کلرک سید اظہار حسین نے جو حملے کی خبروں سے سخت بے چین تھا اپنے ریڈیو کا سرخ ڈائل گھمایا اور سب کام روک کر ریڈیو سے چمٹ گیا کیونکہ صدر ایوب خاں کی مانوس آواز جو کچھ بتا رہی تھی وہ اس کے لئے بے حد اہم تھا:

"پاکستان کے دس کروڑ عوام کے لئے آزمائش کی گھڑی آپہنچی ہے۔ بھارتی

فوج نے آج صبح سویرے لاہور کے محاذ پر حملہ کر دیا۔ نہایت بزدلی کے ساتھ اس نے وزیر آباد کے اسٹیشن پر کھڑی ہوئی ایک ٹرین کو بھی ہوائی حملے کا نشانہ بنایا اور اس پر گولیاں برسائیں۔ جنگ چھڑ چکی ہے۔" صدر کی گرجدار آواز نے کہا "دس کروڑ پاکستانی جن کے دل لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آواز پر دھڑکتے ہیں، اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ دشمن کی توپیں ہمیشہ کے لئے سرد نہیں ہو جاتیں۔ بھارتی حکمرانوں کو شاید علم نہیں ہے کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ دشمن پر حملہ کرنے اور اس پر ایسی کاری ضرب لگانے کے لئے تیار ہو جایئے تاکہ اس کی وہ طاغوتی قوت کچل دی جائے جس نے ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کے وہ قدم توڑ دیئے جائیں جنہوں نے ہماری سرحدوں پر قدم رکھا ہے۔ آگے بڑھئے اور دشمن کا مقابلہ کیجئے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

اور یہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کا وہ چمکدار، روشن دن تھا جسے داغدار اور سیاہ رات میں تبدیل کرنے کے لئے دھندلی کہر آلود صبح کو دبے پاؤں بھارتی رجعت پسند اور سامراجی قوتوں نے خاموشی سے لیکن پوری تیاری کے ساتھ پاکستان کی مقدس سرزمین پر چڑھائی کر دی۔ پاکستانی قوم کے آہنی ارادوں کو للکارا گیا تھا۔ وہ اپنے نیلے چمکدار آسمان کو پاک اور آزاد رکھنے۔ اپنے کھیتوں کو بچانے، اپنی نہروں کی روانی کو قائم رکھنے اور اپنی بارونق گلیوں کو مہکتا، رنگین رکھنے کے لئے آن کی آن میں تیار ہو گئے۔ بھارت نے پاکستان پر اس دن ایسی جنگ مسلط کر دی تھی جس کی تاریخ، اور جدید تاریخ میں بہت ہی کم مثالیں ملتی ہیں۔ بھارت کا یہ حملہ نازی خونخوار فوجوں کے حملے کی طرح سرکش اور اچانک تھا۔ یہ جنگ بھارت نے ہم پر

بغیر کسی اعلان یا الٹی میٹم کے مسلّط کی تھی۔ پاکستان کی امن پسند قوم اور اس کی جانباز فوجیں اگرچہ امن کی برکتوں سے واقف تھیں لیکن آج پہلی بار ان کے امن کو خطرہ تھا۔ انہیں امن اور آزادی کو بچانا تھا۔ ہماری دلیر اور سربکف فوجوں کے لئے حملے کے ابتدائی چند گھنٹے نہایت سنگین تھے۔ ایسے میں ان فوجوں نے آہنی ارادے کے ساتھ نپے تلے قدم اٹھائے اور قوم کی دعاؤں کے سائے میں دشمن کے آہنی شعلہ فشاں حصار سے جا ٹکرائیں، اُس بکتر بند قوت سے جس نے لاہور اور سیالکوٹ کی مقدس صبح کی خاموشی کو اپنی ٹاپوں سے روندا تھا۔ اس سے ٹکرانے اور اسے پسپا کرنے کے لئے۔ پاک افواج کے یہ نیک، باوقار اور آہنی قدم دشمن کے لئے ناقابل تسخیر موجوں کے تھپیڑے بن گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دشمن پر کاری سے کاری ضربیں لگائیں اور جلد ہی وہ دشمن اپنی آگ اُگلتی توپوں اور بکتر بند گاڑیوں کو خود ہی پیچھے چھوڑ کر بُری طرح پیچھے لوٹ رہا تھا۔ وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگنے لگا۔ اس کو پہلی بار اصل جنگ کا سامنا تھا جس میں جوابی حملہ کیا جاتا ہے۔ اور جہاں سوئے ہوئے نہتے شہروں کا سکوت نہیں بلکہ توپوں کی گرج، آزادی کے نعرے اور رائفلوں کے شعلے ہوتے ہیں۔

یہ تو جنگی محاذ تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ غیر فوجی اور شہری محاذ پر ہمارے جیالے شہریوں۔ نواب خاں، اللہ بچایو، رشیدہ خاتون، محمد علی صدیقی، نذیرہ اظہار حسین اور ان کے ان گنت پاکستانی ہم وطنوں، کسانوں، مزدوروں، دکانداروں، تاجروں، ڈاکٹروں، نرسوں طالبعلوں، دانشوروں، شاعروں، ادیبوں، ملاحوں مچھیروں، مردوں، عورتوں اور بچوں نے بھارت کے اس اچانک مکارانہ حملے کا کس طرح

جواب دیا۔ عام پاکستانی شہریوں نے جب ذہن میں برقی کوندے کی طرح لپکنے والی اس خبر کو سنا تو انہوں نے آزادی، امن اور قومی آبرو کے خلاف اس چیلنج کا رُخ کس طرح موڑا؟

کیا یہ جیالے شہری حملے کی خبروں سے گھبرا گئے؟ کیا ہوائی حملے کے سائرن سن کر وہ سراسیمہ ہوئے؟ کیا توپوں کی گرج سے ان کو موت کا خوف ہو گیا؟ کیا دکانداروں نے قیمتیں بڑھا دیں اور تاجروں نے مال کی ذخیرہ اندوزی کر لی؟ قوم کی خوش بختی کی دلیل یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ جیالے، سربکف شہریوں نے آن کی آن میں تنظیم اور ضبطِ نفس کی وہ لہر دوڑادی کہ دنیا حیران رہ گئی۔ شہریوں نے آگے بڑھ کر بغیر کسی حکم یا دباؤ کے خود کو فوجی بھرتی کے لئے پیش کر دیا۔ کچھ نے ابتدائی طبی امداد کی تربیت میں حصہ لیا۔ کچھ خون دینے کے لئے ہسپتالوں کی طرف چل پڑے۔ کچھ نے میدانوں میں دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے خندقیں کھودیں اور باقی شہری دفاع کا کام سیکھنے لگے۔ عورتیں دھڑا دھڑ مجاہدین اور سپاہیوں کے لئے تحفے جمع کرنے لگیں اور سردی سے ان کو بچانے کے لئے گرم دستانے اور سوئٹر بننے لگیں۔

قوم بھارتی حملے کی گرج اور اس کے ٹینکوں اور توپوں کی آگ میں سے کندن بن کر گذر گئی۔ اس نے ظلم و بربریت کے طوفان کا مقابلہ سربلندی، دلیری، استقلال اور ایمانداری سے کیا۔ جنگ نے اس کے لوہے کو تپا کر فولاد کر دیا اور اس بھٹی میں سے نکل کر ۶ ستمبر کو ایک عظیم قوم آفتاب کی طرح طلوع ہو گئی جس کے ارادے، اقدام اور مقاصد متحد اور باوقار تھے۔

فائر بندی سے قبل کے ایام کی طرف مڑ کر دیکھئے تو نظر آتا ہے کہ ہماری قوم نے دشمن کے باطل عزائم کو ناکام بنانے اور اپنی آزادی کو بچانے کے لئے جیسی شاندار جدوجہد کی اس کی مثال شاید ہی کہیں پیش کی جا سکے۔ جس وقت پاک مسلح افواج کے بچے تلے قدم آہنی ارادے کے ساتھ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ اسی وقت قوم کے یہ جیالے شہری، کسان، مچھیرے، طلبا، دکاندار، مزدور، ڈاکٹر، نرسیں۔ سب کے سب محاذوں کے پیچھے اپنے درخشاں چہرے لئے آزادی کا علم بلند کئے رہے۔ سترہ روز کی شدید جنگ کے دوران یہ مرد اور عورتیں آن کی آن میں اپنے فرائض کو پورے خلوص اور تندہی سے پورا کرنے کے لئے ڈٹ گئے۔ انہوں نے توپوں کے سائے اور رائفلوں کی باڑھوں کے سامنے بھی شہری فرائض بالکل نڈر ہو کر انجام دیئے۔ حالانکہ یہ جنگ ان میں سے اکثر لوگوں کی زندگی کی پہلی جنگ تھی۔ اور سب کے لئے جدید دور کی یقیناً پہلی جنگ لیکن وہ سب آزمودہ کار اور منظم رضاکار نکلے۔ جیسے وہ پہلے سے ہی جنگ کے دور میں دشمن کے حوصلے پست کرنے کے گُر جانتے تھے۔ صدر ایوب نے یکم اکتوبر ۶۵ء کی ایک تقریر میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:-

"اگرچہ پہلے سے جنگ کے بارے میں لوگوں کو کوئی علم نہ تھا اور نہ وہ کسی طرح سے بھی اچانک بدلنے والے حالات کے لئے تیار تھے، پھر بھی ہر شخص پل بھر میں اپنے متعلقہ فرض کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح کمربستہ ہو گیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں بچے، مرد اور عورتیں جن کا تعلق ہر طبقے اور پیشے سے تھا، ایثار اور ضبط کے سانچوں میں ڈھل گئے۔ لوگوں نے ذاتی مفادات،

خود غرضی، جماعتی اختلافات بلکہ ذاتی جھگڑے تک بھلا دیئے۔ سب کے ہاتھ مشترکہ دشمن کی یلغار کو روکنے کے لئے مل گئے اور ان ہاتھوں نے مل کر ایک عظیم الشان حصار بنا لیا۔ لوگ صرف ایک جذبے سے سرشار ہو گئے کہ دشمن کی مشینری کو بے کار کر کے رکھ دیا۔ عورتوں اور مردوں کی رضاکارانہ جماعتیں راتوں رات قائم ہو گئیں اور انہوں نے خود کو افواج کی مدد اور سہارے کے لئے وقف کر دیا۔ ان عورتوں اور مردوں نے بھارتی حملے سے متاثر ہونے والے لوگوں، زخمیوں اور بچوں کی دیکھ بھال کا کام سنبھالا اور بے گھر لوگوں کی مدد کی۔ قومی اخبارات نے بھی اس دوران ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ اور لوگوں کے حوصلے بلند رکھے۔ ان میں حب الوطنی اور ایثار کے جذبات بیدار کئے۔ طلباء نے پورے ملک میں خود کو ایک دفاعی طاقت میں بدل دیا۔ اور اس کام کو بخوشی پورا کیا جو قومی جد و جہد کو بڑھانے کے لئے ان سے لیا گیا۔ سرکاری ملازمین نے رات دن کام کیا۔ اس طرح شہری انتظامیہ نے پورے ملک میں بے مثال ایثار اور لگن کے ساتھ پلک جھپکائے بغیر کام کیا۔ کارخانے میں مزدوروں اور کھیتوں میں کسانوں نے ملکی پیداوار کو بڑھایا۔ شکوک و شبہات، اندیشے اور خوف سے بالکل پاک اور مبرا ہو کر انہوں نے پیداواری قوت بڑھائی۔ دکانداروں اور تاجروں نے بلند تجارتی اخلاق کی ایک ایسی اعلیٰ اور نادر مثال پیش کی جس پر ہر قوم رشک کر سکتی ہے۔ انہوں نے ملک کے عام باشندوں کو ضروری اشیاء کی کسی قلت سے دوچار نہ ہونے دیا۔ پورے ملک میں تمام اشیاء کی قیمتیں معمول کے مطابق برقرار رہیں۔ تاریخ میں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ جب

جنگ کے دوران اس طرح بے غرضی، ایثار اور ضبط نفس سے کام لیا گیا ہو۔"
صدر ایوب نے آگے چل کر اپنی تقریر میں اس عظمت قومی اور تمکنت کے سبب بتاتے ہوئے فرمایا:" اس جذبے کا مظاہرہ اس لئے ہؤا کہ ہم حق پر تھے، ہماری جنگ جائز اور اخلاقی تھی۔ ہم اپنے وطن کی حفاظت اور اپنی آزادی کے دفاع کے لئے اٹھے تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو کبھی نہ بھلایا جا سکے گا۔ قوم نے اس عرصہ میں اپنے آپ کو پا لیا۔ اس نے اپنی انفرادیت، اپنی آن بان اور اپنے مستقبل کو دیکھ لیا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک شخص نے اچانک محسوس کیا ہے کہ وہ لامتناہی صلاحیتوں کا امین ہے۔ بے لوث کام کرنے کی صلاحیت، بغیر ٹھہرے ہوئے کام کرنے کی صلاحیت۔ برس ہا برس کے شکوک و شبہات۔ تمام اختلافات اور جھگڑے بے معنی اور مذاق معلوم ہونے لگے اور پل بھر میں لوگ صف در صف متحد ہو گئے تھے ان کے درمیان کوئی سیاسی یا سماجی امتیاز باقی نہ رہا۔ ہمارے ادیبوں، شاعروں، مفکّروں اور دانشوروں کو اظہار بیان کے لئے نئے موضوعات مل گئے اور پوری قوم میں ایک نئی بیداری اور ایک نیا شعور موجزن ہو گیا۔ ہم نے ایثار اور قربانی کا مفہوم سمجھ لیا۔ شجاعت کی وہ روایات جو ہمارے خون میں موجزن ہیں، پھر سے زندہ اور توانا ہو گئیں اور تاریخ اسلام کے تمام درخشاں باب آنکھوں کے سامنے زندۂ جاوید بن کر اُبھرنے لگے۔"

صدر کی یہ تقریر پوری قوم کی حرکت و حرارت اور توانائی کی ترجمان تھی ہر پاکستانی کو اپنی لامتناہی صلاحیتوں کا احساس ہو گیا تھا۔ اقبال کا مردِ مومن تو ہماری صفوں میں ہی تھا۔ اس کا شاہین پر تول کر کوہساروں سے نیچے دشمن پر جھپٹ رہا تھا

ہر کسان نیلے آکاش کے نیچے کھیتوں کی سندرتا کو بچانے اور گیہوں اور دھان کی بالیوں کو سجانے کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد تھا۔ مزدور صنعت کے پہیئے کو پوری تندہی سے چلانے لگے۔ رات دن، صبح شام کارخانوں میں سامان تیار ہونے لگا۔ لوگوں کی ضروریات کا تاکہ کسی کو کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ سڑکوں پر حادثے کم بالکل ختم ہو گئے کیونکہ لوگ دیکھ بھال کر ذمہ داری سے گاڑیاں چلانے لگے۔ طالبات نے تعلیم کے ساتھ شہری ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ان کے ہاتھ مریضوں کے دکھ درد کو کم کرنے کے لئے آگے آئے۔ نوجوان طلباء نے ٹریفک سنبھال لیں۔ اور شہری دفاع کے لئے جوق در جوق بھرتی ہو گئے۔ خواتین نے مجاہدین اور افواج کے لئے قدم بڑھائے۔ رضائیوں اور سوئٹروں کے انبار لگا دیئے ہر پاکستانی کا گھر پاکستانی فوج کے سپاہیوں کا گھر تھا۔ یہاں ہر گھر میں عورتیں اور لڑکیاں ان کے لئے تحفے جمع کر رہی تھیں۔ نمازیں پڑھ پڑھ کر ان کی زندگی اور کامیابی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ سوئٹر بُن رہی تھیں اور فوج کے لئے عطیات دے رہی تھیں۔ یہ سب کچھ جنگ کے شروع کے چند دنوں میں تو بالکل آپ ہی آپ ہُوا۔ کسی نے بھی ان شہریوں اور مردوں، عورتوں سے اپیل نہ کی تھی۔ کسی نے رضاکاروں کی بھرتی شروع نہ کی تھی۔ کسی نے ان سے خون کے تحفے نہ مانگے تھے اور نہ شہری دفاع کے کام کے لئے یا بلیک آؤٹ کے دوران لوگوں کو ہدایات دینے کے لئے کہا تھا۔ کسی نے ان گرہستی عورتوں، اسکولوں اور کالجوں کی نوجوان طالبات سے فوجوں کے لئے تحفے یا گرم کپڑے جمع کرنے کو نہ کہا تھا۔ لیکن قوم کے اس جذبۂ بیدار نے آپ ہی آپ وطن پر دشمن کے حملے کے چند گھنٹے کے اندر اندر یہ جان لیا کہ

انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ حیدر آباد میں اللہ بچایو بھاگا بھاگا ڈپٹی کمشنر کے دفتر پہنچا۔ وہاں اس جیسے سیدھے سادے وطن کے جیالوں کی طویل قطار پہلے ہی لگی ہوئی تھی۔ اللہ بچایو نے کافی انتظار کرنے کے بعد جیب کی کل رقم قومی دفاعی فنڈ میں دے ڈالی اور خوشی خوشی ٹنڈو جام میں کھیتوں کے محاذوں پر چلا گیا۔ اس نے زمین کی سوندھی خوشبو کو بچانے اور کھیتوں کو دشمن کے ناپاک قدموں سے محفوظ رکھنے کی قسم کھالی۔ لاہور کی رشیدہ خاتون نے جلدی جلدی ایک ٹیکسی لی اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا بے چاری دوڑ "گنگا رام ہسپتال پہنچی جہاں اس نے عورتوں کی بھیڑ بھاڑ میں گھس کر بڑی محنت کے بعد فوجیوں کے لئے خون کا عطیہ دے دیا۔ جیتا جیتا سُرخ خون جب نرس نے سوئی چبھو کر اس کے بازو میں سے نکالا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ خون جسم میں سے نکل رہا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی نئی اور گرم قوت اس کے جسم میں سرایت کر گئی ہے۔ وہ خون دے کر پہلے سے تازہ دم اور خوش و خرم گھر لوٹ آئی۔ سب ایڈیٹر محمد علی صدیقی نے جو تربیت یافتہ مجاہد تھا دفتر سے رخصت لی اور خود کو مجاہدین میں بھرتی کرا دیا۔ چھوٹی زرینہ اسکول سے دوڑی دوڑی گھر گئی اور سب سے پہلے جا کر اپنی امی کو بتایا کہ اس کے وطن پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اس نے امی کی تجوری میں سے سارا زیور نکالا اور پھر اس میں اپنی بالیاں اور انگوٹھی بھی شامل کر دی اور اسے پوٹلی بنا کر رکھ دیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح اسے قومی دفاعی فنڈ کے لئے جا کر پیش کر دیا۔ زرینہ کی امی اور ابا کو جب پتہ چلا تو انہوں نے زرینہ سے عطیہ کی رسید لی اور اسے خوب پیار کیا۔ ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اظہار حسین کلرک نے اپنے

دفتر میں اعلان کر دیا کہ آئندہ سے اس کی تنخواہ کا بیس فی صد حصہ قومی دفاعی فنڈ کے لئے کاٹ لیا جائے۔

جیسے جیسے ۶ ستمبر کا دن بڑھتا گیا ویسے ویسے لوگوں کو دشمن کے سہ طرفہ حملے کی تفصیلات معلوم ہوتی گئیں۔ اخبارات کی سیاہ، جلی اور موٹی موٹی سرخیاں محاذ کی تفصیلات بتا رہی تھیں۔ لوگوں کو فوراً معلوم ہو گیا کہ اس جنگ میں صرف محاذ کے سپاہی ہی نہیں بلکہ شہریوں کو بھی جنگ کا مقابلہ کرنا ہے۔ ان کے کچھ فرائض اور بھی ہیں۔ انہیں اب چوکنا اور حملوں سے خبردار رہنا ہے۔ شہریوں نے اپنی اس فرض شناسی اور مستعدی کا ثبوت پہلی ہی رات دے دیا جب کہ ملک کے تمام بڑے شہروں میں مکمل بلیک آؤٹ شروع کیا گیا۔ حالانکہ اہل پاکستان کو اس سے پہلے کبھی بلیک آؤٹ کا سابقہ نہ پڑا تھا اور تمام روشنیاں بند کر کے رات گذارنے کا پہلی بار حکم دیا گیا تھا لیکن تمام پاکستانیوں نے پہلی ہی رات کو یہ جان لیا کہ بلیک آؤٹ کتنی مدت تک کیوں نہ ہو وہ اس کی مکمل پابندی کریں گے۔ کراچی کا ایک تاجر جو دوسری جنگ عظیم کے دوران لندن رہ چکا ہے، کراچی جیسے کاروباری اور مصروف شہر میں جہاں زندگی کی نصف سے زائد رونقیں رات کو جاگتی ہیں پہلی رات کو اس قدر مکمل اور منظم بلیک آؤٹ دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ وہ بار بار کہتا تھا: میں نے ایسا بلیک آؤٹ تو لندن اور یورپ میں بھی نہیں دیکھا۔ اور پھر کسی تربیت کے بغیر۔ یہ کراچی والے کمال کے لوگ ہیں بھئی!" وہ درست ہی کہتا تھا۔ کیونکہ کراچی کی بارونق حسین سڑکوں پر ایک بھی روشنی نہ جلتی تھی۔ ایک بھی نیون سائن روشن نہ تھا۔ پولیس یا شہری دفاع کے

عملے کو کسی بھی شخص کو سمجھانے کی زحمت نہ ہوئی۔ لوگوں نے اس اہم فرض کو بلا کسی چون و چرا کے خود پہ عائد کر لیا۔ وہ اسے نہایت خوش اسلوبی سے بجالائے۔ محلوں گلیوں اور سڑکوں پر پاس پڑوس کے لوگوں نے خود ہی چوکسی اور نگرانی کے لئے دستے بنائے۔ یہ لوگ کسی مکان سے روشنی کی ایک مدھم سی کرن بھی نہ نکلنے دیتے اور پھر لوگ تو خود ہی ہر طرح سے بے حد محتاط ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر کراچی کی انتظامیہ کو اگلی رات لوگوں سے اپیل کرنی پڑی کہ سڑکوں پہ کاروں اور بسوں کو مدھم روشنی جلا کر چلنے کی اجازت دی جائے۔

۷ ستمبر کا دن قوم میں نئے جذبات۔ حوصلے اور ذمہ داریوں کو لے کر آیا ایک نئی قوت۔ آن بان۔ ایک نئی قوم جنم لے چکی تھی اور راتوں رات شہر شہر قریہ قریہ، محلہ محلہ شہریوں کی کمیٹیاں بن گئیں جو شہری دفاع کی تیاریاں کرنے لگیں لوگوں کو ہوائی حملوں سے بچنے، آگ بجھانے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے، لوگوں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے کے لئے نرسیں، ڈاکٹر، طالبات اور خواتین تربیت لینے یا تربیت دینے میں لگ گئیں۔ یکم اکتوبر تک صرف مشرقی پاکستان میں ۲۰ لاکھ سے زائد افراد نے رضا کارانہ طور سے خود کو شہری دفاع کی تربیت کے لئے بھرتی کرایا تھا۔ ان میں سے تین لاکھ تو صرف چاٹگام سے بھرتی ہوئے تھے۔ مغربی پاکستان میں ۳۵ لاکھ رضا کاروں نے شہری دفاع کے لئے خوشی خوشی اپنے نام رجسٹر کرائے ملتان جیسی چھوٹی جگہ سے ہی ۳۲ ہزار رضا کار میدان میں آگئے تھے۔ ہر شہر میں سے طلباء، طالبات، کلرکوں، ڈاکٹروں، ٹیچروں، صحافیوں اور عام

شہریوں نے شہری دفاع کے کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے جوق در جوق شرکت کی۔ کراچی میں جہاں زندگی بے حد مصروف نظر آتی ہے اور عام طور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے لوگوں کو سوائے روپیہ کمانے کے کوئی دوسرا کام اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چند دن میں شہری دفاع کے ۲۹ بڑے بڑے مراکز قائم ہو گئے تھے۔ جن میں سے ہر ایک ڈویژنل وارڈن کی نگرانی میں ان گنت رضاکار کارکنوں کے ساتھ شہریوں کے بچاؤ کے لئے مستعد اور تیار رہتا۔ ڈاکٹروں نے مفت دوائیں پیش کر دیں۔ نرسوں نے مفت خدمات کی پیش کش کی۔ طالبات ناموس وطن بچانے والوں کے لئے ہر خدمت پر آمادہ ہو گئیں۔ ابتدائی طبی امداد سے لے کر رائفل چلانے تک کی تربیت شروع ہو گئی۔ کراچی شہر میں ابتدائی طبی امداد کے ۸۰ مراکز قائم ہو گئے۔ جن میں ایمرجینسی ٹیلی فون موجود تھے۔ اس کے علاوہ شہر بھر کے ہسپتالوں، کلینک اور شفا خانوں میں تیس سے زائد ایسے مراکز بنا دیئے گئے جہاں حملے سے زخمی افراد کی دیکھ بھال کی جا سکے۔ ان مراکز میں کام کرنے کے لئے میڈیکل کے طلباء اور طالبات۔ نرسوں اور ڈاکٹروں نے اپنی خدمات مفت اور غیر مشروط طور سے پیش کر دیں۔ شہر کے نوجوانوں نے بھی قوم اور وطن کی لاج رکھنے کی قسم کھالی۔ اسکوٹروں والے دو سو سے زائد نوجوان رضاکاروں نے خود کو ان مراکز کی خدمات کے لئے پیش کر دیا۔ تاکہ دن یا رات میں کسی بھی وقت ان کو کوئی بھی کام دیا جائے کراچی میں قومی خدمت کا ایسا پر جوش جذبہ موجود تھا کہ شہر کی ۹۲ یونین کمیٹیوں نے پولیس اور فوج کی مدد کے لئے مجاہد فورس کی بھرتی تیز کر دی۔ اور یہ سنٹر دفتروں میں کام کرنے والے کلرکوں، کارخانے میں مزدوروں، اسکول

اور کالجوں کے طلباء کو رات میں مختلف جسمانی تربیت اور دفاعی کام سکھانے لگے۔

ابھی دشمن کے مکارانہ حملے کو ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ پورے ملک میں زخمیوں کے لئے خون جمع کرنے والے مراکز نہ صرف کھل گئے بلکہ ان میں متاثرہ افراد کے لئے بے اندازہ خون جمع ہو گیا۔ وطن کے جان نثاروں اور دشمن کے حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا خون گرانے والوں کی رگوں میں تازہ خون پہنچانے کے لئے قوم کے بچے بچے کا لہو جوش میں آ گیا۔ خون کے عطیات لینے والے مراکز پر خون دینے والے مردوں اور عورتوں کی ایسی بھیڑ دنیا کے کسی ملک میں نہ ہوئی ہوگی۔ یہاں بغیر کسی انعام، اُجرت یا اپیل کے سینکڑوں بیٹیاں، مائیں، باپ اور بھائی پل بھر میں اپنے خون کے تحفے لے کر وطن کے عارض کو سُرخ رنگ بنانے آ موجود ہوئے تھے تاکہ محاذ پر جانے والوں کی نبض تیز دھڑکتی رہے اور شہیدوں کا پرچم ہمیشہ سرخرو رہے فائر بندی ہونے تک جناح ہسپتال کراچی میں ہی ایک ہزار ایک سو پنٹ خون جو ۵۰۰ سی سی فی پنٹ تھا، جمع ہو گیا تھا۔ محبت سے گرم خون کے یہ دریا جو وطن پرستی اور وطن پرستوں سے محبت کی روشن اور زندہ دلیل تھی، پورے ملک میں موجزن ہو گئے۔ لاہور۔ راولپنڈی۔ پشاور۔ کوئٹہ۔ ڈھاکہ۔ چاٹگام ہر جگہ ہسپتالوں پر خون دینے والے مردوں اور عورتوں کی طویل قطاریں لگی رہتیں جو گھنٹوں خون دینے کے لئے اپنی باری کا انتظار کرتیں۔ اس جوش و خروش اور حب الوطنی کا دائرہ صرف مردوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عورتیں بھی اس میں پیش پیش تھیں۔ اچانک ہنگامی حالات کے سامنے پاکستانی خواتین اپنی

وفاداری اور خلوص کی پوری عظمت پر پہنچ گئیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں خواتین کی رضاکارانہ تنظیمیں بن گئیں جن کا کام ملک کی جنگی تیاریوں میں ہاتھ بٹانا اور شیخ افراع کے جیالے، سربکف مجاہدوں کے لئے سامان اور کپڑے جمع کر کے بھجوانا تھا۔ اس کے علاوہ وطن کی دوشیزاؤں نے بھارتی حملے سے ستائے ہوئے پژمردہ، کمزور بچوں، عورتوں اور مردوں کے غم دور کرنے کے لئے ہر طرح ایثار اور تن دہی سے کام کیا۔ شہیدوں کی بیویوں اور بچوں کے ہونٹوں پر لٹ جلنے والی مسکراہٹوں کو واپس لانے کے لئے قوم کی ان بیٹیوں نے اپنے چین اور آرام کو تج لیا۔ انہوں نے فوجیوں اور کشمیری مجاہدوں کے لئے کپڑے، کمبل، کھانے کے بسکٹ، بلیڈ، سوئٹر، بسکٹ، کتابیں اور نہ جانے کیا کیا جمع کیا اور لاکھوں کی تعداد میں محاذوں پر بھجوا دیا۔ دن رات ایک ہی دھن اور لگن۔ کراچی میں پندرہ ہزار رضاکار خواتین شہری دفاع کی تربیت سے آراستہ ہوئیں۔ اس کے علاوہ بے شمار خواتین نے ابتدائی طبی امداد اور نرسنگ کی تربیت میں جوش وخروش سے حصّہ لیا۔ رائفل چلانے کی مشق بھی ان نازک دوشیزاؤں نے خوشی خوشی قبول کر لی۔ وطن کی ان بیٹیوں نے واقعی اپنے آنچلوں سے پرچم بنا لئے اور چوڑیوں کی جھنکار سنانے والے ہاتھ زخمیوں کے دکھ درد کم کرنے اور دشمن پر گولیوں کی بوچھاڑ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے جگہ جگہ شرمیلی طالبات رائفل چلانا سیکھ رہی تھیں تاکہ دشمن کے ناپاک قدموں کے رُخ کو ہمیشہ کے لئے موڑ دیں جو ان کے مقدس وطن کی خاک پر اُٹھے تھے۔

جب صدرِ مملکت نے قومی دفاعی فنڈ کے لئے عوام سے عطیات کی اپیل کی تو تجوریوں کے ساتھ ساتھ غریبوں کی میلی کچیلی جیبوں سے بھی قوم کے لئے سب

کچھ نکل آیا۔ امیروں، تاجروں، صنعت کاروں اور بیوپاریوں نے صدر کی اپیل سنتے ہی قومی دفاعی فنڈ میں روپیہ کے انبار لگا دیئے۔ غریبوں نے اپنی تنخواہوں اور جمع پونجی کا بڑا حصہ لاکر فنڈ میں دے دیا۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کی بیویوں اور بیٹیوں نے گھر کے ڈھکے چھپے پڑانے زیور بھی نکال کر قوم کے قدموں میں لاکر رکھ دیئے۔ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں نوجوان لڑکیوں اور عورتوں نے محبوب ترین زیورات کو بغیر ایک آہ بھرے قوم کے دامن میں لاکر ڈال دیا۔ کپڑے، کنگن، انگوٹھیاں، نکلیس، چوڑیاں، دست بند، جھومر، بندے اور لاکٹ قوم کی بیٹیوں کا سارا سہاگ قوم کے لئے اتار دیا گیا تاکہ قوم کا سہاگ چمک اُٹھے۔ ناظم آباد کراچی کی بیگم رحمت نے اپنے ۳۲ تولے کے زیورات اور ساڑھے پانچ سو روپے نقدی جو اس کی عمر بھر کی جمع پونجی تھی کمشنر کراچی کو دفاعی فنڈ کے لئے یہ لکھ کر دے دی کہ "یہ قومی فنڈ میں اس کا ناچیز اور بے وقعت عطیہ ہے۔" سراج گنج کی ایک نو بچوں کی ماں نے جس کے سر اتنی اولاد کو پالنے پوسنے کا بار تھا اپنی ساری عمر کی پونجی فنڈ میں دے دی۔

رنگ پور کی غریب انجمن بیگم جس کا غریب باپ مقامی ٹی بی ایسوسی ایشن کا چپراسی تھا، ایک اور دل کش اور بے مثال جذبہ سے سرشار نظر آئی۔ اس لڑکی نے کسی نہ کسی طرح ایک کھوکھلے بانس میں برسوں میں جاکر کہیں بیس روپے جمع کئے تھے اور اب وہ ان سے کان کی بالیاں خریدنے والی تھی۔ جنگ شروع ہو گئی۔ انجمن نے قوم اور فرض کی پکار سن لی اور رقم قومی دفاعی فنڈ میں دے دی۔ پاکستان کی آزادی اور وجود کے لئے سنگین خطرہ دیکھ کر ہر مرد، عورت

بلکہ بچے بچے نے اپنی تمام ذاتی ضروریات کو پس پشت ڈال کر جیبیں اُلٹ دیں اور جتنا بھی دیا جا سکا قومی دفاعی فنڈ میں دے دیا۔ قوم نے اس طرح سے فنڈ کے لئے فراخ دلی دکھائی کہ اس سے دس گنی دولت مند قوم بھی اپنی تجوریوں کو دیکھتی رہ گئی۔ اسے سخت حیرت تھی کہ یہ غریب قوم اور یہ فراخ دلی اور دریا دلی۔ صدر ایوب کی فنڈ کے لئے اپیل کے صرف ایک ہفتے بعد ہی تیرہ کروڑ روپے قوم نے دفاعی وطن کے لئے پیش کر دئیے تھے۔ یہ رقم ہر لمحہ، ہر گھنٹہ اور ہر دن بڑھتی رہی کیونکہ قوم کا ہر فرد دشمن کے خلاف چاندی کی گولیوں کی طاقت بہم پہنچا رہا تھا۔ قوم سے والہانہ محبت اور خلوص کا یہ جذبہ جہاں امرا میں تھا وہیں فقیر اور نادار بھی اس سے اسی طرح سرشار تھے۔ وطن سب کا وطن۔ جہاں مشرقی پاکستان میں بڑے صنعت کار آدم جی نے دفاعی فنڈ میں تیس لاکھ ۱۵ ہزار روپے دیئے وہیں اسی وقت ملتان کا ایک غریب فقیر اپنی بیساکھی پر پھدکتا ہوا ایک بنک پہنچا اور اس نے اپنے دن کی کمائی دو روپیہ قومی دفاعی فنڈ میں دے دی۔ سرکاری دفاتر۔ بنکوں۔ کارخانوں۔ فرموں۔ اخباروں کے دفاتر۔ ملوں۔ اسکولوں۔ کالجوں اور دکانداروں نے اپنی دو دو تین تین دن کی آمدنی یا تنخواہیں فنڈ میں جمع کرا دیں۔ اس مہم میں ملک کے شاعروں، ادیبوں اور قلم کاروں نے بھی مقدور بھر حصہ لیا۔ ان گنت غریب کلرکوں نے بال بچوں کی ضروریات کو پس پشت ڈال کر قومی فنڈ میں پورے مہینے کی تنخواہیں دے ڈالیں۔

سارا وطن ایک گھر اور ایک کنبے کی مانند ہو گیا۔ لوگ اُن کی حفاظت

بالکل اپنے گھر کی طرح سے کر رہے تھے۔ سرگودھا میں بھارتی بمباری سے تباہ شدہ ایک مکان میں رہنے والے ایک غریب قائم الدین کو جو کسی دفتر میں چپراسی تھا، حکومت نے امداد کے طور پر کچھ رقم دی۔ اس وطن کے ہر شخص نے دفتر متعلقہ سے وہ رقم لی۔ اس میں اپنی جیب سے دس روپے ڈالے اور وہ رقم قومی دفاعی فنڈ میں دے دی۔ اس طرح قائم الدین نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا اصلی گھر وہ نہیں جسے بھارتی بمباری سے نقصان پہنچا بلکہ اس کا اصلی گھر پاکستان ہے جو ناقابلِ تسخیر ہے اور جسے قائم الدین جیسے جیالے فرزندوں کے ایثار نے آہنی قلعہ بنا دیا ہے اور پورے ملک میں کچھ نہ کچھ نذرِ وطن کرنے کا یہ جذبہ ہمہ گیر اور وسیع تھا۔ ہر شخص نے یہ بات ایک فرض کی طرح لاشعوری طور پہ خود پہ عائد کر لی تھی کہ اسے کسی نہ کسی طرح سے قومی دفاعی فنڈ میں کچھ نذر کرنا ہے۔ ان کو اس بات پر یقین ہے کہ اگر پاکستان ہے تو ہم اور ہمارے گھر ہیں۔ اور خاکم بدہن پاکستان نہیں تو پھر کیسے ہم اور کہاں ہمارے گھر۔ پاکستانی عوام کے جذبۂ ایثار اور فراخ دلی کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حملہ آور بھارت میں جو ہم سے بہ لحاظ رقبہ چھ گنا بڑا اور بہ لحاظ دولت کئی گنا امیر ہے فائر بندی سے صرف چند دن قبل تک دفاعی فنڈ میں کل ایک کروڑ روپے کے قریب روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ وہاں سب سے زیادہ فراخ دلی سے عطیہ برلا خاندان نے دیا جو کہ ۱/۲ ۱ لاکھ روپیہ تھا۔ جب کہ پاکستان کے اوسط درجے کے تاجروں اور صنعت کاروں نے تین تین چار چار لاکھ روپیہ صرف چند گھنٹوں میں نذرِ وطن کر دیا۔

محاذوں پر دشمن کی بکتر بند قوت اور توپوں کی گرج کے سامنے پاک افواج

کے دلیر جس وقار اور پامردی سے وطن کی مقدس زمین کی حفاظت کر رہے تھے اس سے متاثر ہو کر ہر شہری کے دل میں یہ جذبہ جاگزیں اور منور ہو گیا کہ یہ اس کی ذاتی جنگ ہے۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ بالکل اس کے گھر کا۔ اور اس جذبے نے ہر سپاہی کے اُٹھتے بڑھتے قدم اور اس کی عقابی نگاہوں کے لئے گہرا جذباتی لگاؤ اور ایثار پیدا کر دیا۔ تاجر طبقے کو ہی لیجئے۔ اس نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ وطن کے ہر گھر میں چولھے اسی طرح روشن رہیں اور لوگوں کو کوئی چیز جنگی یادشواری سے حاصل نہ ہو۔ ہمارے تاجروں نے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا دامن اس شان سے اور وقار سے تھاما کہ اس پر ہر قوم رشک کرے گی۔ انہوں نے جنگی اور ہنگامی دور میں عوام کے استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے کسی موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور اناج کی قیمتیں ذرا نہ بڑھیں اور لوگوں کو یقین تھا کہ واقعی ہمارے سپاہی کیوں نہ اس بے جگری اور شجاعت سے اس وطن کے دفاع کے لئے لڑیں جب کے محاذ کے پیچھے ان کے بازار، ان کے کھیت اور ان کے گھروں میں مکمل خوش حالی اور ایمانداری کا راج ہے۔ اگر دکانداروں نے قسم کھائی تھی کہ وہ گاہکوں سے ایک پیسہ بھی ناجائز نفع نہ لیں گے۔ کیونکہ یہ پیسہ حرام ہو گا۔

قوم کی بہبود کے اس جذبہ سے فن کار، کلاکار، شاعر اور ادیب بھی برابر متاثر ہوئے۔ اخباری اور نشریاتی زندگی میں بڑی خوش گوار تبدیلیاں ہوئیں ریڈیو اور اخبارات کے دفاتر محاذ جنگ کی تازہ ترین خبریں اور تصویروں کو سب سے پہلے دیکھتے تھے وہ جنگ کی رفتار اور اس کی گھن گرج کو سب سے

پہلے محسوس کرتے اور اسی جذبے، امنگ، عظمت، غم، دکھ، المیہ اور احساس کو پوری صداقت اور دیانت کے ساتھ عوام تک پہنچاتے رہے۔ جنگ ہو یا امن صحافی ان سب کے پاس سے قریب تر ہو کے گذرتا ہے۔ بلیک آؤٹ کے اندھیرے میں دبیز پردوں کے پیچھے بیٹھ کر ریڈیو اور اخبارات کے عملے نے عوام کے حوصلے بلند رکھے۔ خبروں سے، تصویروں سے، اداریوں اور خبرناموں سے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "سپاہیوں نے جنگ لڑی ہے اور صحافیوں نے اسے لکھا ہے۔" یہ حالات اس صداقت اور عجلت کے ساتھ لکھے گئے کہ ان سے ہماری بیدار قوم کو حالات جاننے میں ذرا تاخیر نہ ہوتی جو کہ ہر پل محاذوں کی طرف نگاہیں لگائے بیٹھی تھی۔ ریڈیو پاکستان نے بھی ایسے ماحول میں بڑی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے خوب صورت جنگی ترانے اور ملی گیت آج بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ اور لوگ بازاری فلمی دھنیں بھلا کر بڑے شوق سے وطن کے ترانے گنگناتے ہیں۔ جنگی دور میں ریڈیو پاکستان کی خبریں سننے والوں کے ہجوم یادگار رہیں گے۔ ہر سڑک، گلی، مکان، دفتر اور دکان پر ریڈیو سیٹ کے گرد وطن کے جان نثاروں اور وفاداروں کے ہجوم قومی بیداری کا زندہ ثبوت ہیں۔ یہ خبریں ان تک مختلف ذرائع سے براہ راست جنگی محاذوں سے جو دُور دراز تھے کراچی میں ریڈیو کے مرکزی نیوز بیورو میں آتیں۔ ان کو وقت مقررہ تک چند گھنٹوں میں چھانٹنا، درست کرنا، ایڈٹ کرنا اور پھر وقت پر نشر کر دینا۔ ان ذہنوں اور ماہر ہاتھوں کا کمال ہے جو قوم کو باخبر اور باشعور رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ اخباروں کی فرض شناسی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ لاہور میں بمباری اور گولہ باری کے ایام میں بھی

ایک دن ایسا نہیں ہوا کہ اخبار عوام کے ہاتھوں میں نہ پہنچا ہو۔ اخبارات نے عوام کو باحوصلہ، بیدار، پُرامید اور فاتح رکھنے کے لئے ہر دکھ جھیل کر کام جاری رکھا۔

ریڈیو اور اخبارات نے دراصل ایک پُرعزم اور اٹل قوم کے جذبات کی ترجمانی کی۔ ہماری قوم جو اب ان جیالے بہادروں کی قوم ہے جو دشمن کو اپنی مقدس سرحدوں سے پیچھے دھکیل کر دم لیتی ہے۔ اس قوم کے لئے کوئی قربانی بڑی نہیں۔ کوئی عطیہ پاکستان کی سربلندی اور آبرومندی سے بڑا عطیہ نہیں۔ اس شاداب اور عظیم جذبے کی گونج ۶ ستمبر کے بعد سے برابر سندر بن کے جنگلوں، سلہٹ کے باغوں، چاٹگام کی پہاڑیوں، کومیلا کے دھان کے کھیتوں اور بوڑھی گنگا کے پرانے گمبھیر گیتوں سے لے کر کراچی کے ساحلوں، سرحد کی چٹانوں، پنجاب کے سنہری کھیتوں، راوی، چناب اور جہلم کے لپکتے مچلتے پانیوں، لاہور کی آباد دہکتی انارکلی بولان اور بلوچستان کے خارا شگاف پہاڑوں اور دروں اور سندھ کے گیت گاتی اور الغوزے سناتی وادیوں تک سنائی دے رہی ہے۔ گندم کی ہریالی اور دھان کے ہر خوشے کو بونے والے کسان نے اپنے سندر آکاش اور سنہرے کھیتوں کو دشمن سے ہمیشہ ہمیشہ آزاد رکھنے کی قسم کھا لی ہے۔ یہ کوہسار، یہ جنگل، یہ برف پوش چوٹیاں، یہ مرغزار، یہ گیت، یہ آسمان، یہ زمین اور دریا اور اس کے ساحل سب وطن کے گیسو و کاکل ہیں جن کی محبت آج ہر محبوب کی محبت سے زیادہ حسین اور جاندار ہے۔ ہم نے کسی سے جنگ نہ کی تھی بلکہ ہم پر جنگ مسلط کر دی گئی۔ ہمیں اپنے گھر، اپنے وطن کو بچانا تھا۔ اسی لئے یہ ایک عوامی جنگ بن گئی۔ ہر کھیت سے درانتی اور ہر دریا سے موج بلند ہو کر وطن کے بیٹیوں

کی قوت بن گئی۔ ہر پہاڑ نے دشمن کا راستہ کاٹا اور ہر دریا کی موج اس پر ہیبت کا سایہ بن کر جھپٹ پڑی۔ عوام کا یہ حصار ناقابل تسخیر تھا۔ عوام کے حوصلے بے پایاں تھے۔ سیالکوٹ میں غیر ملکی نامہ نگار دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اگرچہ چند میل دُور تاریخ کی خوفناک اور انتہائی شدید ٹینکوں کی لڑائی ہو رہی تھی۔ لیکن سیالکوٹ کے کوچہ و بازار میں اس جنگ کا ذرا بھی خوف نہ تھا۔ تمام دکانیں اور ریسٹوران حسب معمول کھلے ہوئے تھے۔ مورچوں کے قریب کھیتوں میں پاکستانی کسان اسی اعتماد کے ساتھ ہل بیل لے کر زمین پر گیا تھا۔ دیہاتی صرف اپنی عورتوں اور بچّوں کو عارضی کیمپوں میں چھوڑ آئے تھے۔ باقی ان کے روزمرہ کے کام اسی طرح جاری تھے۔ دُور سے توپوں کی آگ نظر آ رہی تھی اور کبھی کبھی گولے پھٹنے اور بموں کے دھماکے ان کے کان پھاڑ دیتے۔ لیکن وہ اسی اطمینان سے کھیتوں میں کام کرتے رہے۔ یہ ان کی مقدس سرزمین تھی وہ اس کو کب چھوڑ سکتے تھے ہمارے شہیدوں نے وارث شاہ، بلھے شاہ۔ شاہ فرید، بھٹ شاہ اور سچل سرمست کی ان ہی سوندھی زمینوں کی حفاظت میں جانیں دے دیں اور پھر بڑے صبر اور سکون سے ان ہی زمینوں پہ ٹھنڈے ہو گئے۔ انہوں نے شہید ہو کر بھی ان زمینوں سے ہٹنا گوارا نہ کیا!!

یہ زمین اس قدر حسین اور پیاری ہے کہ مردان جیل میں قیدیوں نے ایک دن فیصلہ کیا کہ وہ دو وقت فاقہ کریں گے اور اس دن کے کھانے کی کل رقم ایک ہزار آٹھ سو روپیہ قومی دفاعی فنڈ میں دیں گے۔ یہ زمین اتنی پیاری ہے کہ جب لوگ فائربندی کے بعد بمباری سے متاثرہ شہروں میں اپنے ویران

محلوں میں واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ خالی دکانوں میں ان کا مال بالکل جوں کا توں محفوظ ہے۔ کسی شخص نے اس کو چھوا تک نہیں ہے۔ غیر ملکی نامہ نگار سیالکوٹ میں بمباری سے متاثرہ علاقے میں یہ بات دیکھ کر حیران اور دم بخود رہ گئے کہ ان علاقوں میں چھوٹے چھوٹے لڑکے چہروں سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ کر اپنے تباہ شدہ مکانوں کے ملبے پر کھڑے تھے اور مٹھیاں بھینچ کر زور زور سے نعرے لگا رہے تھے "پاکستان زندہ باد"۔ دشمن نے ان کے مکانوں پر بمباری کر کے انہیں کھنڈر بنا دیا تھا۔ لیکن یہ جیالے پاکستانی ان کھنڈروں پر کھڑے ہو کر بھی ناقابل تسخیر تھے۔ ان کے قلعے میں کوئی شگاف نہ تھا۔

سیالکوٹ میں دشمن کے ٹینکوں پر حملہ کرتے ہوئے میجر ضیاء الدین عباسی شہید ہو گئے اور ان کو ہلال جرأت دیا گیا۔ جب یہ خبر کراچی میں ان کے والدین کو ملی تو انہوں نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جاء نماز بچھائی اور خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجا لائے اور اس بات کی نماز شکرانہ ادا کی کہ خدا نے ان کے فرزند کو پاکستان کی راہ میں شہید کر دیا۔ اسی آب و تاب سے پوری قوم منور تھی۔ پشاور میں کیپٹن عبدالجلیل کی والدہ کے پاس جب پڑوسی تعزیت کرنے کے لئے پہنچے تو معمر لیکن عظیم ماں نے کہا: "مجھ سے تعزیت کی بات مت کرو بلکہ مجھے مبارکباد دو کہ میرا بیٹا پاکستان اور اسلام کی راہ میں شہادت سے سرشار ہوا۔ میں قوم کے لئے اپنے باقی دو بیٹے پیش کرتی ہوں"۔ یہ وہ جذبہ تھا اور یہ وہ پیاری زمین تھی جس نے درۂ خیبر سے لے کر سندربن کے جنگلوں تک چاٹگام کی پہاڑیوں سے بحیرۂ عرب کے نیلگوں ساحل تک قوم کو ایک صف میں، ایک رشتے میں پرو دیا تھا

اور دشمن کی پیش قدمی کا راستہ ان گنت قدموں اور ان گنت ہاتھوں نے روک دیا۔ ہم نے نہ صرف دشمن کو اپنی مقدس سرحدوں سے دھکیلا بلکہ ہم نے اس کے سولہ سو مربع میل علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اس کے اسلحہ اور ہوائی افواج کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ مسلح افواج کی پیش قدمی اور ان کی بری، بحری اور فضائی کمک کے پیچھے جو چہرے نظر آتے ہیں۔ وہ اتنے باحوصلہ اور بلند عزم، جیالے اور وطن پرست ہیں کہ ہمارے سپاہی کی رائفل کچھ اور بلند ہو جاتی ہے۔ ہمارا کسان بڑے اعتماد سے نیلے آسمان پر اپنی شاہین صفت فضائیہ کے طیاروں کو تیرتا ہوا دیکھ کر بلا خوف و خطر ہل چلاتا ہے۔ اور ہمارے ساحل اپنی بحریہ کی آتشیں توپوں کے سایہ میں زندگی سے معمور ہیں۔ افواج کے پس منظر میں نواب خاں۔ اللہ بچایو، رشیدہ خاتون، محمد علی صدیقی، زرینہ اور اظہار حسین کے روشن اور سنہری چہرے ابھرتے ہیں جو مورچوں سے دور ہیں لیکن ان مورچوں کی اصل قوت ہیں۔ ان کے سروں پر وطن کی آزادی اور امن کا سورج چمکتا رہے! ان پر اچانک حملہ ہوا لیکن وہ آن کی آن میں دشمن کے چیلنج کو ناکام بنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ بے خبر اور نہتے تھے لیکن ان کے پاس سندر زمین کی خوشبو۔ شہیدوں کے وعدے اور نیلے آسمان کی روشنی تھی جو کبھی قید نہیں ہوتی اور ہمیشہ آزاد رہتی ہے۔

# ایک قوم، ایک ملک

جنگ کے دوران تمام جماعتوں اور رہنماؤں کا باہمی تعاون

زوّار حسین

۶ ستمبر کی رات اپنا سفر تقریباً پورا کر کے منزل کے قریب پہنچنے والی تھی۔ سرسبز و شاداب کھیت خاموش اور پرسکون ماحول میں اُبھرتے ہوئے آفتاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار تھے کہ یکایک لاہور کی سرحد میں مکار اور دغاباز دشمن چوروں کی طرح داخل ہوا۔ اس دن آفتاب صرف اسی لئے طلوع ہوا تھا کہ بھارت کے اُس مکروہ عزم کا پردہ چاک کرے جس کی بنا پر اس کی ناپاک افواج پاکستان کے مقدس خطہ میں داخل ہوئی تھیں اور مزید داخل ہونے کے لئے تیار تھیں تاکہ اپنے چھوٹے پڑوسی ملک کو ہڑپ کر لیں۔ لیکن اس وحشیانہ عزم کا کیا اثر ہوا؟ اسی روز غروب آفتاب سے قبل میدان کارزار خون میں نہایا ہوا تھا۔ ہر طرف لہو ہی لہو تھا۔ سرخ لہو، شفق شام سے بھی زیادہ سرخ!

اس منحوس صبح کو بھارت کی بھاری یلغار سے بے خبر پاکستان کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں حسب معمول مصروف تھے۔ چرواہے بھیڑوں کے گلوں کو لے کر عظیم ہمالیہ کے دامن میں لہراتی ہوئی چراگاہوں کی جانب جا رہے تھے۔ پنجاب کے محنتی کسانوں کا اپنی زرخیز زمینوں کی طرف رُخ تھا اور مشرقی پاکستان

سکے لوگ بھی اپنی فصل کے طلائی اور نقرئی رنگینوں کی دیکھ بھال میں دل جمعی سے مصروف تھے۔ خاموش ریگستانوں میں کارواں اپنی ہر روز کی منزل کی طرف گامزن تھے۔ بڑے بڑے شہروں کے صنعتی مرکزوں میں مشینوں کی گڑگڑاہٹ شروع ہو چکی تھی۔ اور بازاروں میں بھی حسب معمول کاروبار شروع ہو چکا تھا۔ شہروں سے بہت دور مضافات میں بھی صبح تو اسی طرح پرامن طور پر شروع ہوئی تھی۔

لیکن جس وقت ۶ستمبر کی صبح، دن میں تبدیل ہوئی تو لاہور کا محاذ میدانِ کارزار بن چکا تھا۔ زمین خون کی سرخی سے لالہ زار تھی اور ہماری قوم کے جاں نثار بھارتی لیڈروں سے نبرد آزما ہو کر پاکستان پر منڈلاتے ہوئے اس مکروہ منحوس سائے کو دور کر رہے تھے۔ دوپہر کو صدر پاکستان محمد ایوب خاں کی آواز ریڈیو پاکستان سے بھارت کی اس بدنما حقیقت کو آشکار کر رہی تھی۔ انہوں نے قوم کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"دس کروڑ پاکستانیوں کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ آج صبح لاہور کے محاذ پر بھارتی افواج نے حملہ کر دیا ہے۔ جنہوں نے بری کے ساتھ ساتھ فضائی حملہ بھی کر کے وزیر آباد میں نہایت بزدلانہ طریقہ پر ایک پسنجر ٹرین کو اپنا نشانہ بنایا ہے۔"

جگہ جگہ لوگ ریڈیو سیٹوں پر اکٹھے بیٹھے ہوئے صدر ایوب کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو بغور سن رہے تھے۔ ان میں ہمالیہ کے چرواہے، ناہموار فرنٹیئر اور بلوچستان کے پٹھان۔ پنجاب کے کسان۔ مشرقی پاکستان کے سن کے کاشتکار، صنعتی اور کاروباری لوگ۔ طالب علم اور دکاندار، ڈاکٹر اور انجنیئر

منتظم اور سائنسدان، غرض سب ہی تھے۔

صدر کی تقریر جاری تھی۔ وہ فرما رہے تھے:

"ہندوستانی حکمرانوں نے روایتی بزدلی اور ریاکاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو بغیر اعلان جنگ کئے ہوئے پاکستان کی مقدس سرزمین میں داخل ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ اس لئے اب ہمارے لئے وہ وقت آگیا ہے کہ ان کو ایسا منہ توڑ جواب دیں جس سے ہمیشہ کے لئے اس کی جہم گیری اور سامراجیت ختم ہو جائے۔

پاکستان کے کروڑوں عوام جن کے دلوں کی دھڑکنوں میں لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کی صدا گونج رہی ہے اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھیں گے جب تک ہندوستانی توپوں کو خاموش نہ کر دیں۔ ہندوستان کے حکمراں ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکے ہیں کہ کس قوم کے لوگوں کو انہوں نے للکارا ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس کا ایمان شہادت اور جس کی مشعل راہ یقین کامل ہے۔ جو متحد ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اور جن سے اللہ تعالے نے خود ان کی ظفرمندی کا وعدہ فرمایا ہے۔"

صدر نے پاکستانی عوام کو ہدایت کرتے ہوئے کہا:

"ایسے وقت میں جب کہ جنگ شروع ہو چکی ہے۔ آپ کو

انتہائی پُر سکون رہنا چاہیے - آپ خود بھی جانتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کو اہم فرائض پوری سرگرمی اور ایمانداری سے انجام دینے ہیں - خداوند تعالےٰ بے حد رحیم و کریم ہے اور وہ ہمیشہ ان پر اپنی رحمت فرماتا ہے جو اس کی راہ میں کھڑے ہوں اور اب ہم اس شیطانیت پر پیہم ضربیں لگانے کے لئے کھڑے ہو چکے ہیں -

جس نئے فتنے نے ہماری سرحدوں پر سر اُٹھایا ہے وہ انشاء اللہ تباہ ہو کر رہے گا - حق و انصاف کے لئے لڑنے والوں کو کبھی ناکامی نہیں ہوتی ہے - انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی - آگے بڑھو اور دشمن کا مقابلہ کرو - خدا تمہارا حامی و ناصر ہے "

یہ آواز پوری قوم کی آواز تھی - حق و صداقت کی آواز - آزادی کی آواز جس کی بنا ان بھارتی توپوں کو ختم کرنا تھا جو چین کے نام کا بہانہ پیش کر کے دنیا کی چار بڑی طاقتوں سے بھیک کے طور پہ مانگی گئی تھیں -

صدر کی آواز پر پوری قوم پلک جھپکتے ہی کمر بستہ ہو کر مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی - اس لئے کہ یہ ایسی اہم اور بلند آواز تھی جس پر لبیک کہتے ہوئے ہر شخص جاں نثاری کے لئے تیار تھا - ایسے موقع پر تمام سیاسی اور غیر سیاسی اختلافات اتھاہ گہرائی میں دفن کر دیئے گئے -

آج خیبر سے چاٹگام تک پوری قوم متحد ہے - بلکہ نظریاتی طور پہ بھی سب ایک ہی نقطے پر متفق ہیں - اور یہ اتفاق ہر صورت سے ناممکن التقسیم

ہے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان جن کے مابین دشمن کی وسیع و عریض سرزمین ہے، جغرافیائی حیثیت سے زائد قومی طور پر متحد ہیں۔ اور ان پاکستانیوں کے دلوں میں یکساں اتحاد ہے۔ اسی لیئے جب مسلح افواج دشمن کو کچلنے کے لیئے آگے بڑھیں تو عوام نے بھی اپنے اپنے گھروں سے نکل کر ملک کے تحفظ کی خاطر پوری مستعدی سے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی شروع کر دی۔

لیکن اس بہادری اور جاں نثاری کے پس پشت کیا چیز کارفرما تھی؟ یقیناً یہ کوئی ہوائی چیز نہیں تھی اور نہ ذرا سا بھی اس پر یقین کیا جا سکتا تھا۔ کہ تمام بین الاقوامی جھگڑے صرف جنگ کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں۔

حملہ آوروں سے مقابلہ کا یہ آہنی عزم صرف آزادی سے محبت کی بناء پر تھا۔ اسی عزم کی وجہ سے انہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر اپنی آزادی کو برقرار رکھا۔

برصغیر میں انگریزوں کی عملداری تقریباً دو صدی تک رہی۔ اور ان کے دور میں بھی مسلمان آزاد انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک تھے اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی گذارتے تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں جو شمع آزادی روشن تھی اس کو انگریز بھی گُل نہ کر سکے۔ یہ چیز بھی مسلمانوں کی ان قربانیوں کی طرح اہم تھی جو انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں دی تھیں۔ اور تقریباً اسی سال بعد اسی جنگ آزادی کو وہ معراج حاصل ہوئی جس سے پاکستان وجود میں آیا۔

وہ لوگ جنہوں نے انگریزی نوآبادیاتی نظام کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ ان سے کس طرح توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ بھارت کے نئے نوآبادیاتی نظام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں؟ ایسی حالت میں جب کہ پاکستانی عوام کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انگریز استعمار پسند اپنے انتہائی غلبہ و اقتدار کے زمانے میں بھی ہرگز اتنے کمینے، تباہی کوش اور کینہ پرور نہیں ہو سکتے تھے جتنے کہ بھارت کے فرقہ پرست فتنہ پردازی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

تقریباً ۸۰۰ سال تک ہندو مسلمانوں کے زیر حکومت ہندوستان میں بڑی آسودگی و خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ چونکہ مسلمان حکمران بے حد وسیع المشرب اور فراخ دل تھے اس لئے ہندوؤں کو ریاست کی سرپرستی حاصل رہی۔ ان کا دھرم بھی قائم رہا اور ان کے طور طریق اور رسم و رواج بھی ذات پات کے امتیاز کی برائیوں کا بری طرح شکار ہونے کے باوجود سلامت رہے۔ اس سلوک میں اور اس سلوک میں کتنا فرق ہے جو ہندوؤں نے جین اور بدھ مت کے پیروؤں کے ساتھ روا رکھا؟ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھارت میں جو بدھ مت کی جنم بھومی ہے، کم ہی بودھی پائے جاتے ہیں اور ان کی زیادہ تعداد بھارت کے باہر آباد ہے۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندو بظاہر بڑے مطیع اور فرماں بردار تھے۔ وہ یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ اس کے بڑے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ لیکن اس کی تہہ میں ان کا مسلمانوں کے خلاف کبھی نہ مٹنے والا بغض برابر کام کر رہا تھا۔ جیسے سانپ اندر ہی اندر بس گھول رہا ہو۔ اس لئے جونہی انگریزوں نے برصغیر ہندو پاک میں اپنے قدم جمائے، ہندوؤں کی منافقت کھل کر سامنے آ گئی اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ مسلمانوں

کے لئے اپنے دل میں کس قدر شدید کدورت رکھتے ہیں۔ تب سے ان کی یہ برابر کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں سے گن گن کر بدلے لیں۔ ان کی دلی تمنا یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو سیاسی طور پر اپنا غلام بنالیں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ انہیں معاشی حیثیت سے قلاش بنایا جائے اور ان کی تہذیب و ثقافت کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ بعض نے تو علی الاعلان اس کو اپنا مقصد قرار دیا لیکن بعض نے واقعی بغل میں چھری منہ پر رام رام کا طریقہ اختیار کیا جس پر جدید تعلیم کی نفاست اور شائستگی کا ملمع چڑھا دیا گیا تھا۔ حد یہ کہ جب مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی جاری کرنے کا بیڑا اٹھایا تو ہندوؤں نے اسے بھی آہستہ آہستہ ہندو رنگ دے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ہندوستانی قومیت اور ہندو قومیت ایک ہی چیز کے دو نام قرار پائے۔

یہ محض اتفاق ہی نہیں کہ جہاں بھی کوئی جلسہ ہوتا یا جلوس نکلتا تو اس میں نمایاں طور پر ہندو وضع ہی غالب ہوتی۔ اور یہ بھی محض اتفاق نہیں کہ مسلمانوں کی نامور شخصیتوں کو بالکل نظر انداز کر کے ہندوؤں ہی کے بڑے بڑے سورماؤں کو تحریک آزادی کے دیوتا قرار دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ ہندوؤں کے اس جنون میں بڑی گہری حکمت پوشیدہ تھی۔ اس سے بھی زیادہ ان کا مقصد اظہر من الشمس تھا۔ یہ کہ مسلمانوں کو اس طرح زیر کیا جائے کہ زندگی کے ہر شعبے پر ہندو ہی ہندو چھا جائیں۔ جب قیام پاکستان نے ہندوؤں کے دل کی ساری تمنائیں خاک میں ملا دیں تو ان کی حقیقی ذہنیت صاف طور پر سامنے آگئی۔ اس کا ثبوت خود ان کے رہنماؤں کی زبانی ملتا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش کر دینا کافی ہے۔ جن سنگھ کے ایک نیتا، پریم چند جی نے ایک جلسۂ عام میں یہ کہا کہ "مسلمان اور عیسائی ہندوستان میں حملہ آور بن کر آئے، وہ اس کا اٹوٹ انگ نہیں بن سکتے۔"

ہندو مہا سبھا کے لیڈر، وکرم ساورکر نے اور بھی زیادہ وضاحت سے کہا۔ "اگر بھارت کے مسلمان پاکستان نہیں جانا چاہتے تو انہیں اپنا مذہب بدلنا پڑے گا انہیں مسجدوں کی بجائے مندروں میں جانا ہو گا۔ حج کے لئے سعودی عرب جانے کی بجائے کاشی جانا پڑے گا۔"

یہی وہ حالات ہیں جن سے بری طرح پریشان ہو کر لوک سبھا کے ایک رکن اور عیسائیوں کے سربراہ، مسٹر فرینک انتھونی یہ پکار اٹھے کہ "آج مسلمان ہندوؤں کی فرقہ پرستی کا شکار ہیں۔ کل ممکن ہے دوسری اقلیتیں ان کا تختۂ مشق بن جائیں۔ کلکتہ میں تو پڑھے لکھے بنگالی طلبا بھی فسادات میں شریک ہوئے۔ بھارتی مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً موت کے سائے میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔"

اگر کوئی وسیع المشرب، دور اندیش اور سمجھ دار قوم ہوتی تو وہ ان حالات میں گزشتہ را صلوٰۃ کے مسلک پر کاربند ہوتی۔ یہ کوشش کرتی کہ ماضی سے جو تاریخ اُسے ورثے میں ملی ہے اور جس پر پوری نسل کو کوئی اختیار نہیں، اس کے ساتھ مفاہمت پیدا کرتی۔ لیکن ہندوؤں کی اکثریت نے جو انتقام اور نفرت کے جذبات میں کھوئی ہوئی ہے، اس کے بالکل برعکس روش اختیار کی۔ اور جس بات نے صورتِ حال کو اور زیادہ المناک بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ زیادہ روشن خیال تھے ان میں نہ اتنا حوصلہ تھا نہ یہ خواہش کہ وہ کٹر ہندوؤں کی اس روز بروز بڑھتی ہوئی دیوانہ وار، جنگجویانہ فرقہ پرستی کی مخالفت کریں۔

غالباً ان کے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ شاید وہ ہندو کٹر پن کے اس زبردست طوفان کے سامنے خود کو خار و خس کی طرح بے بس محسوس کرتے تھے۔

تاریخ کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنے اور آگے کی طرف دیکھنے کی بجائے انہوں نے موقع پرستی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ وہ صرف اس نہج پر سوچتے تھے کہ جو ہندو جاتی مڑ مڑ کر اپنی ہی طرف دیکھتی ہے، مسلمانوں کو ملکڑ ہاروں اور سقوں کے سوا اور کچھ دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

لیکن ہندو یہ بھول گئے کہ مسلمان وراوڑ نہیں ہیں۔ وہ انہیں اپنے حسب منشاد اِدھر اُدھر دھکیل نہیں سکتے۔ اُنہیں اپنے مذہب و ثقافت۔ اپنی تاریخ و روایات سے اس قدر محبت ہے اور وہ آزادی کے جذبہ سے اس قدر سرشار ہیں کہ وہ نہ تو امن میں نہ جنگ میں کسی طرح بھی رام راج کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔

جب مسلمان ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ مفاہمت کی متعدد کوششیں کر چکے جو ناکام ثابت ہوئیں تو ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ وہ اپنے لئے ایک علیحدہ وطن پیدا کریں۔ یہی ہندوؤں اور انگریزوں دونوں سے گلو خلاصی کرانے کی خواہش تھی جس نے مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء میں تاریخی اجلاس منعقدہ لاہور کے موقع پر قرارداد پاکستان کی شکل اختیار کی۔

تاریخ اپنے آپ کو عجیب عجیب طریقوں سے دہراتی ہے۔ لاہور ہی وہ مقام ہے جہاں کے آخری برہمن راجہ، جے پال کو سبکتگین نے دسویں صدی کے آخر میں فیصلہ کن شکست دی تھی۔ دس سو سال بعد بھارت کے برہمنوں نے جو حملہ کیا ہے اس کا بھی وہی حشر ہوا ہے۔ اگر دسویں صدی عیسوی ہی میں مسلمانوں کا ہندوستان میں بول بالا ہوا تو بیسویں صدی میں لاہور بھارت کے پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کے موجودہ دور کا عظیم الشان قبرستان ثابت ہوا۔

اور زیادہ قریب آئیں تو یہ لاہور ہی تھا جہاں برصغیر کے مسلمانوں نے قیام پاکستان کا ارادہ ظاہر کیا۔ اب ۲۵ سال بعد لاہور ہی ہے جس نے پاکستان کو درہم برہم کرنے کے ارادوں کو پامال کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ ہستی عظیم جس نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔ علامہ اقبالؒ۔ نے زندگی بسر کی اور راہیٔ عدم بھی ہوئے۔ اسی کے بادۂ افکار سے سرشار ہو کر مسلمانوں نے اس خواب کو جو شرمندۂ تعبیر ہو چکا تھا محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

اور ۱۹۴۰ء ہی کی طرح جب برصغیر کے مسلمانوں نے کامل اتفاق و اتحاد کے ساتھ حصول آزادی میں قائداعظم کا ساتھ دیا تھا، ۱۹۶۵ء میں بھی اہل پاکستان ایک مضبوط چٹان کی طرح صدر ایوب خاں کے ساتھ رہے تاکہ وہ اپنی بڑی مشکل سے حاصل کی ہوئی آزادی کا تحفظ کریں۔ ایک بار پھر تاریخ کی آنکھوں نے اس فولاد کی طرح مضبوط اتحاد، عزم بالجزم اور بے دریغ قربانیوں کے مظاہرے دیکھے جو ایک غیر مساوی جنگ لڑتی ہوئی حریت پسند قوم کا طرۂ امتیاز تھے۔
اس مقام سے کچھ ہی دور جہاں مغل شاہنشاہ جہانگیر اور اس کی شہرۂ آفاق ملکہ نورجہاں آسودۂ خواب ہیں، بھارت کے انبوہ در انبوہ لشکر نے اپنا زبردست جارحانہ حملہ کیا۔ لیکن ان کی امریکہ و برطانیہ سے مانگی ہوئی توپیں تاریخ کی آواز کو خاموش نہ کرسکیں۔ اگرچہ بھارت کے مقابلہ میں پاکستان کی فوجیں بہت تھوڑی تھیں پھر بھی انہوں نے جنگ کے ہر میدان میں فتح حاصل کی۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اسلحہ، ساز و سامان اور تعداد کا تعلق ہے، بھارت کو پاکستان کے خلاف اپنی بیسویں صدی کی یلغار میں نمایاں فوقیت

حاصل تھی۔ لیکن اخلاقی، روحانی اور قانونی اعتبار سے پلّہ یقیناً پاکستان ہی کی جانب جھکا ہوا نظر آتا ہے۔ اور ایک بار پھر لاہور ہی میں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی، جس کی بعد ازاں سیالکوٹ کے گندم اور گنّے کے کھیتوں اور راجستھان کے صحراؤں نے تصدیق کر دی کہ افواج کی کثرت ان انسانوں کے مقابلے میں کوئی معنی نہیں رکھتی جو ایک برحق مقصد کے احساس سے سرشار ہوں۔

یہ ہے وہ سبق جو بھارت کے پاکستان پر بے جا سفاکانہ حملے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر دشمن نے بھی اس سے یہی سبق سیکھا ہے اور دنیا پر بھی اس سے عمدہ اثر ہوا ہے تو پاکستان نے اس جنگ میں جو قربانیاں دی ہیں وہ ضائع نہیں گئیں۔ لیکن اگر امن کو برقرار رکھنے کا یہ تلخ تجربہ بھارت پر بالخصوص اور دنیا پر بالعموم کوئی اثر نہیں ڈال سکا تو پاکستان پھر اسی عمل کو دہرانے میں ایک لمحہ بھی تامل محسوس نہیں کرے گا خواہ دشمن اس کے لئے کسی وقت کوئی میدان بھی تلاش کرے۔

پاکستان اس زبردست اعتماد کے ساتھ بھارت کا سامنا صرف اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ آزادی و انصاف کا علمبردار ہے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ عوام میں اس قدر اتحاد ہے جتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ممکن ہے اتحاد کا یہ مبہوت کن مظاہرہ دوسروں کے لئے باعث حیرت ہو لیکن اہل پاکستان کے لئے اس میں حیران کن انکشاف کی کوئی بات نہیں۔

جیسا کہ صدر پاکستان نے بار بار کہا ہے ہمارے عوام بنیادی طور پر اتنے ہی اچھے ہیں جتنے کسی بھی ملک کے عوام۔ وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ محض ایک

سرسری تخمینہ تھا۔ پاکستان کے عوام راتوں رات ہی ایک ایسی قوم بن گئے، جو اتحاد، یقین اور تنظیم کے جذبے سے سرشار ہو۔ بعینہ وہ اوصاف جن سے قائدِ اعظم اپنی قوم کو ممتاز دیکھنا چاہتے تھے۔ آج ملک ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑی ہے اسے اپنے مقدر اور اس کو تشکیل دینے کی صلاحیت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس قسم کے نظم و ضبط کی مثال جو قوم نے خود اپنے آپ پر عاید کیا ہو، صرف ان ممالک میں دکھائی دیتی ہے جنہوں نے نازیوں کی جارحانہ عسکریت کی شدید ترین تندی و غضب کا سامنا کیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ اتحاد خود بخود پیدا ہونے کے علاوہ ہمہ گیر بھی ہے۔ قوم میں اپنے مقدر کا احساس جلی ہے۔ اور نظم و ضبط خود بخود برضا و رغبت عاید کیا گیا ہے۔

اس صورت حال کی داد دینے کے لئے ہمیں اس پرشور زمانے کی طرف رجوع لازم ہے جب کہ ابھی سال بھر بھی نہیں گذرا صدارتی انتخابات کے لئے سیاسی ہمہ بازی کا ہنگامہ برپا تھا۔ غیر ملکی مبصر سیاسی معرکوں کی اس بے پناہ کشمکش سے حیران رہ گئے جس میں نہ کوئی امان مانگتا تھا نہ امان دیتا تھا۔

اس ہنگامہ خیز زمانے میں ان مبصروں نے قوم میں شدید سیاسی اختلاف کی معرکہ آرائی دیکھی۔ ہر جماعت نے اپنے پروگرام اور ہر فرد نے اپنی بصیرت اور ضمیر کے مطابق عمل کیا۔ خود آئین کے بالکل بنیادی اصولوں کے بارے میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔ غیر ملکی مشاہدین نے دیکھا کہ یہ بے پناہ سیاسی سرگرمی ایک ایسے ملک میں ہنگامہ آفریں ہے جسے بھارت کا زبردست پرچار ایک۔ فوجی آمریت کہہ کر مطعون کرتا ہے۔

کونسل مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ، جماعت اسلامی اور نظام اسلام پارٹی ساری جماعتیں اپنے اختلافات بھول گئیں۔ جن میں سے بعض اکثر اوقات ان کے سیاسی نظریات کی اساس و بنیاد سے تعلق رکھتے تھے۔ پاکستان مسلم لیگ، اور اس کے امیدوار، صدر ایوب کی مخالفت کے لئے ان جماعتوں نے اپنے تمام وسائل کو ایک مشترکہ سیاسی حزب، اختلاف میں مجتمع کر لیا تھا۔ ادھر مشرقی پاکستان میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے بھی اپنا علیحدہ وجود قائم رکھتے ہوئے اسی مشترکہ سیاسی حزب اختلاف ہی کی امیدوار، محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی۔

یہ تھی سیاسی قوتوں کی افتاد اور یہ سیاسی کشمکش اس قدر جاذب نظر اور انہماک آفریں تھا کہ پاکستان کا بعید گاؤں بھی اس کے برق آفریں اثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ لوگ زور شور سے انتخابات کے متعلق سوچ بچار، بات چیت اور خیال آرائی کر رہے تھے۔ ساری قوم سیاسی حیثیت سے زندہ تھی اور جس کسی کا جو بھی سیاسی عقیدہ ہو اس پر کوئی حجت نہیں ہوتی تھی۔

اگرچہ صدر ایوب بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے پھر بھی سیاسی مہمات کے داغ قومی افق پر وضاحت سے نقش رہے۔ نیک دل سیاست دانوں نے سیاسی مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ سیاسی جماعتیں بڑی حد تک ترقیاتی سرگرمیوں کو عملی جامہ پہنانے سے کنارہ کش ہی رہیں۔ اور مختلف سیاسی نظریوں کے حامی الگ، الگ راستوں پر ہی چلتے رہے۔

مگر ایک ایک کرکے ملک کے طول و عرض پر تغیر کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اگست میں امریکہ نے یک طرفہ طور پر امداد پاکستان کے کنسورٹیم کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ بھارت نے آزاد کشمیر کی چوکیوں پر حملہ کرکے ان پر قبضہ کرلیا۔

جب ملک اس صورت حال سے دوچار ہوا تو سیاسی کش مکش دُور ہو گئی۔ تمام سیاسی جماعتوں نے امریکہ کی اس کوشش کی بڑی شدت سے مذمت کی کہ وہ اقتصادی مدد کو ملکی و غیر ملکی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کا ذریعہ بنائے۔ بھارت کے پاؤں پھیلانے کے ارادوں نے اور بھی زیادہ شدید ردعمل پیدا کیا۔

لیکن قومی وحدت و استحکام کا بڑھتا ہوا احساس ۶ ستمبر کو ایک دم انتہا کو پہنچ گیا۔ جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کردیا۔ کونسل مسلم لیگ کو پاکستان مسلم لیگ کے ساتھ اپنے اختلافات بھول گئے۔ خواہ وہ نیشنل عوامی لیگ پارٹی ہو یا عوامی لیگ، جماعت اسلامی ہو یا نظام اسلام سب اس آزمائش کی گھڑی میں سب جماعتیں پوری طرح متحد ہو گئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ وقت سیاسی جھگڑوں کا نہ تھا کیونکہ سرے سے ملک کا وجود ہی معرضِ خطر میں تھا۔ سفاک، حیلہ کار دشمن نے تاریخی واقعات کا رُخ پلٹ دینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ ایک دغاباز اور مکار ہمسایہ اس سرزمین پاک کو ہڑپ کرنے کا جتن کر رہا تھا جسے ہم نے انتہائی جدوجہد سے، اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا۔

اقبالؒ کی رُوح کرب میں مبتلا تھی۔ قائداعظم کی روح نے عمل کا تقاضا کیا۔ تاریخ نے عوام کو بہادرانہ کارنامہ انجام دینے کی تحریک دلائی اور مستقبل نے قوم کو فتح و کامرانی کی طرف بلایا۔ پاکستان کے دس کروڑ مردوں، عورتوں اور

بچوں کے دل ایک ساتھ دھڑک اٹھے تاکہ وہ حملہ آور کو پیچھے دھکیل دیں۔

نااتفاقی دور ہو گئی۔ اور جیسا کہ صدر پاکستان نے یکم اکتوبر کے نشری انتخاب میں فرمایا۔

"سیاسی اختلافات کی اس فضا میں کوئی جگہ نہ تھی جو تمام تر آزادی کی شمعوں کو زندہ رکھنے کے جذبہ سے معمور تھی۔ عوام کے دلوں میں ایک خاموش غصہ، ایک وقار تمکنت تھی۔ اہل پاکستان کے لئے بھارتیوں کی چالبازیاں کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہم بخوبی جانتے تھے کہ بھارت کی نام نہاد لادینی جمہوری حکومت کیا چاہتی ہے اور مسلح مقابلہ کا نتیجہ بھی ظاہر تھا۔ جس ڈرامائی انداز سے ملک، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو گیا اس کے لئے ایک حیرت انگیز ماجرا تھا۔ ساری قوم کو حملہ آور کو پسپا کرنے کے لئے مناسب قدم اٹھانے میں گھنٹے بلکہ منٹ بھی نہ لگے، قوم اپنی آزادی کے لئے لڑ رہی تھی اور ہر جماعت اور فرد کو جبلی طور پر یہ احساس تھا کہ اسے قومی آزمائش کی اس گھڑی میں کیا کرنا چاہیئے۔

صدر کے نشری خطاب کے بعد حزب اختلاف کے سربراہ یعنی نظام اسلام کے قائد چودھری محمد علی۔ کونسل مسلم لیگ کے قائد سردار شوکت حیات اور ایک ممتاز کشمیری لیڈر چوہدری محمد علی فوراً ایوان صدر پہنچے۔ انہوں نے صدر سے کہا کہ ساری قوم آپ کے پیچھے حملہ آور سے لڑنے کو تیار ہے۔"

ڈھاکہ میں بھی حزب اختلاف کے لیڈروں نے، جن میں مسٹر نورالامین بھی شامل تھے، مسٹر عطاءالرحمان۔ مشرقی پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم جو قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر رہیں اور مسٹر محمود علی ممبر قومی اسمبلی نے مشرقی پاکستان کے

گورنر مسٹر منعم خاں سے ملاقات کی - اور انہوں نے بھی بھارتی حملہ کو پسپا کرنے کے لئے حکومت کو بھرپور امداد پیش کی۔

لاہور میں حزب اختلاف کے سربراہوں نے بھی گورنر مغربی پاکستان، ملک امیر محمد خان سے ملاقات کی اور انہیں بھارت کے جارحانہ حملہ کے سلسلہ میں حکومت کو پورے تعاون کا یقین دلایا - اس کے جواب میں گورنر نے بھی سیاسی سربراہوں کو یقین دلایا کہ حکومت تمام سیاسی جماعتوں کے کارکنوں سے مدد کا خیر مقدم کرے گی۔

محترمہ مس فاطمہ جناح نے جو پچھلے صدارتی انتخاب میں صدر ایوب کی سب سے بڑی سیاسی حریف تھیں، بلا تامل عوام سے استدعا کی کہ وہ بھارتی جارح کو عبرتناک شکست دیں انہوں نے فرمایا "جنگ ہم پر نازل کی گئی ہے - ہوائی حملے بھی کئے گئے ہیں - لیکن مسلمان ہمیشہ شدید خطرات میں اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچتا ہے۔ بھارتی فوج نے پاکستان کے علاقہ میں قدم بڑھائے اور اسے بار بار پیچھے دھکیل دیا گیا - لیکن اب جب اس نے ہمارے محبوب قائداعظم کی قائم کی ہوئی مملکت اور ہماری سرزمین پر حملہ آور ہونے کی جرأت کی ہے، میں توقع کرتی ہوں کہ ہر مسلمان حملہ آور کو شکست دے گا - اور اعتماد اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی ملت کے مقدر کی طرف قدم بڑھائے گا" مس جناح نے اعلان کیا کہ "مسلمانوں نے ایک ابتلائے عظیم کا سامنا کیا ہے اور اپنے علیحدہ وجود اور خودارادیت کو قائم کرنے کے لئے طوفانوں میں سے گذرے ہیں - اگر وہ حصول پاکستان کی خاطر جد وجہد کی طرف منہ موڑ کر دیکھیں تو ہم بخوبی تصور کر سکتے ہیں کہ ہماری اس آزمائش کی گھڑی میں وہ ایک بار پھر ویسا ہی یقین، حوصلہ اور خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں تا کہ وہ موجودہ افتاد

کا سامنا کریں۔ مجھے پورا اعتماد ہے کہ ہماری قوم ایسا کر سکے گی۔"

مس جناح اپنی قوم پر اس اعتماد میں بالکل بجا تھیں۔ بھارتی حملہ کی اطلاع ملنے کے بعد چند ہی منٹوں میں قوم خود کو مقابلہ کے لیے تیار کر چکی تھی، تمام ملک میں عوام نے خود بخود جلوس نکالے اور جلسے منعقد کئے۔ لاہور میں تو وہ عین محاذ جنگ تک پہنچ گئے۔ جہاں سے ہماری افواج نے انہیں یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ وہ خود ہی دشمن سے اچھی طرح نمٹ سکتی ہیں۔ ڈھاکہ میں موسلادھار بارش بھی عوام کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ بیت المکرم کی پُرجلال مسجد میں انہوں نے اپنے ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کی قسم کھائی۔ مشرقی پاکستان کے گورنر مسٹر منعم خاں نے عوام کی ضرورت کی ان الفاظ میں صحیح عکاسی کی کہ "ہر پاکستانی بلا لحاظ عمر، جنس، رنگ یا عقیدہ مادر وطن کی حفاظت کے لیے، انتہائی قربانی دینے کو تیار ہے۔ ہمارے عوام بھارت کی مسلح افواج کو خواہ وہ پاکستان کے کسی حصے پر بھی حملہ آور ہوں، اچھی طرح سبق سکھانے میں کبھی پیچھے نہیں رہیں گی۔"

انہوں نے کہا "ہم بھارتی سامراجیوں کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ اہل پاکستان مادرِ وطن کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کو تیار ہیں۔ میں اپنے دشمن کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا ہر گھر ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اور ہر پاکستانی اس کا بہادر محافظ"

لاہور کے محاذ سے مغربی پاکستان کے گورنر، ملک امیر محمد خاں نے اعلان کیا کہ "پاکستان انشاء اللہ دشمن کو ایسی شکست فاش دے گا کہ اس کے سارے خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔ اسے حق و انصاف کے لئے اپنے ناپاک عزائم کو ترک

کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، فتح ہماری ہوگی۔"

فتح کے لئے اس لڑائی میں تمام علاقائی اور ذاتی باتیں فراموش ہوگئیں۔ ہر عمل کو ملکی دفاع کے بلند ترین مقصد کے تحت کر دیا گیا۔ پاکستان کا ایک نیا اور بہتر تصور نمایاں ہو چکا تھا۔ تقریباً رات بھر ہی میں جماعتیں اور گروہ قومی جد و جہد کے دھارے میں غوطہ زن ہو چکے تھے۔

آزادی کے ایک زبردست مجاہد اور نیشنل عوامی پارٹی کے نامی گرامی لیڈر مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی نے کہا "معاملات میں غلط مبحث نہیں ہونا چاہیئے، قوم کی سالمیت اور سب باتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔"

تقریباً ایسے ہی الفاظ میں آل پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر ظہیر الدین نے اعلان کیا کہ جہاں تک بھارتی جارحیت کے خلاف ملی اتحاد کا تعلق ہے اس کی راہ میں کوئی بھی سیاسی اختلافات حائل نہیں ہوں گے۔ میں تمام پاکستانیوں سے یہ بات پیش نظر رکھنے کی استدعا کرتا ہوں کہ آج بحیثیت قوم ہمارے سامنے ایک ہی کام ہے اور وہ یہ کہ ہم دشمن کا قلع قمع کر دیں۔"

مولانا بھاشانی اور مسٹر ظہیر الدین نے جو کچھ کہا اس کی تمام سیاسی جماعتوں کے ۲۵ سربراہوں نے ایک جلسہ میں تائید کی جو گورنمنٹ ہاؤس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ نیشنل اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد مسٹر نور الامین نے ایک باقاعدہ قرارداد پیش کی جس کی مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب الرحمٰن نے تائید کی۔

راولپنڈی میں آل پارٹیز کشمیر کمیٹی نے حکومت پاکستان کی جنگی جد و جہد کی پوری پوری تائید کی۔ یہ کمیٹی چوہدری غلام عباس، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، امیر

جماعت اسلامی، سردار شوکت حیات خاں، جنرل سیکرٹری کونسل مسلم لیگ، مسٹر ظفر اللہ خاں صدر عوامی لیگ مغربی پاکستان، اور چوہدری محمد علی لیڈر اسلام نظام پارٹی پر مشتمل تھی۔

کمیٹی نے اپنی متفقہ قرارداد میں پاکستان اور کشمیر کے عوام سے التماس کی کہ جنگی جد و جہد کی ہر ممکن طریق سے تائید کریں۔ قرار داد میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ دفاع پاکستان اور کشمیر کے مظلوم عوام کی نجات کی خاطر برحق جنگ ہے۔ لیڈروں کو اس پر اتفاق تھا کہ ان دونوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے قومی جد و جہد کی انتہائی پامردی اور سرگرمی سے پیروی کرنی چاہئے۔

نہ صرف ہر طرزِ فکر اور مکتبِ خیال کی سیاسی جماعتیں بھارتی جارحیت کو پائمال کرنے کے ارادہ میں متفق تھیں بلکہ متعدد سیاسی سربراہوں نے قومی سالمیت پر بڑے موثر پیرائے میں زور دیا۔ حکومت کے ایک سخت گیر نقاد، مسٹر عبدالباقی بلوچ نے جو کچھ ہی عرصہ ہؤا ایک قاتل کی گولیوں کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے، حکومت کو بتایا کہ اب ان میں اتنی طاقت آگئی ہے کہ وہ اپنی جان دفاع کی خاطر نچھاور کر سکیں۔ انہوں نے کہا حکومت جہاں بھی مناسب خیال کرے مجھے کسی خدمت پر مامور کر دے۔

ایک اور سیاسی لیڈر سردار عبدالرشید خاں، جو کبھی مغربی پاکستان کے جمہوری وزیر اعظم تھے، صدر کے نشریہ کے فوراً ہی بعد کمشنر لاہور ڈویژن کے پاس خود تشریف لائے۔ انہوں نے کمشنر سے کہا کہ "میں محاذ جنگ پر لڑنے کے لئے اپنی خدمات رضاکار کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ذاتی طور پر میں ہاتھ میں رائفل لئے محاذ پر

جان دے دینا پسند کرتا ہوں۔ لیکن حکومت جہاں چاہے مجھے خدمات تفویض کرے۔"

لاہور میں جہاں دشمن کی گولہ باری سے در و دیوار گونج رہے تھے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے کہا: ہر پاکستانی لوہے کی دیوار کی طرح متحد ہو کر کھڑا ہے، تاکہ وہ پاکستان کی آزادی و خود مختاری کا تحفظ کرے۔ اس آزمائش کے موقع پر ہر پاکستانی کو لازم ہے کہ حکومت پاکستان کی مکمل اور بے دریغ امداد کرے۔ ایک معمولی شہری کی حیثیت سے میں حکومت کو اپنی ہر ممکن خدمت پیش کرتا ہوں۔"

مغربی پاکستان کے ایک سابق گورنر میاں مشتاق احمد گورمانی نے، جو اب محاذ جنگ پر خدمت کے لئے بہت معمر ہو چکے ہیں، اپنے ہی طور پر حصّہ لیا۔ انہوں نے اپنی زرخیز اراضی کا کچھ حصّہ ان جوانوں کے خاندانوں کے لئے پیش کیا جنہوں نے اپنی جانیں اس لئے قربان کر دیں کہ ان کا وطن سلامت رہے۔

ایک اور سابق گورنر لفٹیننٹ جنرل اعظم خاں نے قوم سے یہ کہا کہ ہمارے گھر بار، عزت و ناموس، آزادی اور سالمیت کے مقدس موقف کے لئے کوئی بھی قربانی زیادہ نہیں۔ انہوں نے کہا "قومی زندگی کے ہر شعبے کو پوری ہم آہنگی اور شدت اور انتہائی زور شور کے ساتھ سرگرم کاروبار رہنا چاہیئے۔ تاکہ ان میں سے ہر ایک میں ہماری کارکردگی زیادہ سے زیادہ درجے تک پہنچ جائے۔"

یہ ہے وہ آواز جس سے پاکستان میں مسلم اکثریت نے بھارتی جارحیت کا جواب دیا۔ لیکن یہاں کی اقلیتوں کا ردعمل کیا رہا؟ اس سے بھی بڑھ کر ہر مسلمان نے پاکستانی ہندوؤں سے کیا سلوک کیا جن کے فرقہ پرستی کے جنون میں مبتلا جنگجو ہم مذہب پاکستان پر حملہ آور ہوئے تھے؟

ان سوالات کے جواب نے بھارت کے مسلمانوں کی ناروا داری کے بارے میں بہتانوں سے بھرپور پروپیگنڈا کا منہ بند کر دیا۔

اس سوال کا جواب ایک پاکستانی سکھ نوجوان، سردار کلجیت سنگھ نے فراہم کیا جس کا معمر باپ سکھر کے گوردوارہ کا نگراں ہے۔ جب بھارتیوں نے پاکستان پر حملہ کیا تو سردار کلجیت گھر کا دروازہ بند کر کے اندر ہی نہیں بیٹھا رہا۔

اس کے برعکس اس نے بوائے اسکاؤٹوں کا ایک کھلا گروپ بنایا۔ اس نے فوجی دفاعی فنڈ کے لئے چندہ جمع کرنے کی خاطر ایک بسکٹوں کا اسٹال قائم کر دیا۔ سکھر کے رضاکاروں کے ساتھ شامل ہو کر وہ رات کو شہر کے ہر تیرہ و تاریک گلی کوچوں میں گھوم پھر کر بلیک آؤٹ کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتا۔ وہ رائفل حاصل کر کے بھارتی حملہ آوروں سے لڑنے کی اجازت مانگنے کے لئے بے قرار تھا۔

اور ضلع رنگ پور کے قصبہ جمنا پاڑہ میں دلال ہندو شہریوں نے قصبہ کے مشترکہ تالاب میں تیراکی کا مظاہرہ کر کے ۵۲ روپے جمع کئے۔ تالاب سے باہر نکلتے ہی اس نے یہ رقم مشرقی پاکستان کے جنگی مقاصد کے فنڈ میں بھیج دی۔ یہ تھا بنگال کی طرف سے بھارتی پروپیگنڈے کا جواب۔

اتنا ہی دلنشیں جواب پاکستان کے شہرہ آفاق تیراک برجن داس نے دیا۔ اسے ۱۹۶۱ء میں رود بار انگلستان کو تیر کر پار کرنے کا اعزاز ملا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پانچ ہزار روپے کا نقد انعام بھی ملا تھا۔ یہ روپیہ اس نے اس لئے سنبھال رکھا تھا کہ اسے کسی اچھے کام کے لئے نذر کر دے۔ چنانچہ اس نے یہ رقم دفاعی فنڈ میں دے

دی ہے جو بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی قومی جدوجہد میں اس کا ناچیز حصّہ ہے۔
اس نذرانے کے ساتھ اس نے گورنر مشرقی پاکستان کو یہ یقین بھی دلایا کہ "اگر ضرورت پیش آئی تو میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے میں بھی دریغ نہیں کروں گا اور نہ مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک دینے میں تامل کروں گا۔"

کراچی اور جنگ زدہ لاہور میں سینکڑوں عیسائی باہر نکل آئے۔ اور چلچلاتی دھوپ میں بازاروں میں برش اور روغن لئے ہوئے موٹروں کی ہیڈ لائٹوں پر روغن کر رہے تھے۔ انہوں نے شہری دفاع کے لئے اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کیں، دفاعی فنڈ کے لئے روپیہ جمع کیا اور خون کے عطیے دیئے۔ پارسی اور بودھی بھی اس جوش و خروش میں پیچھے نہیں رہے کہ وہ بھی ملکی دفاع میں مقدور بھر حصّہ لیں۔ انہیں بھارت کے پاکستان پر سفاکانہ حملہ سے سخت صدمہ ہوا۔ اس لئے پاکستان بدھسٹ کمرسٹی پر چار سنگھ نے ڈھاکہ میں ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور مادرِ وطن کے دفاع اور سالمیت کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا عہد کیا۔

سارے ملک میں بودھی دھرم شالوں میں بودھی جوق در جوق جمع ہو رہے تھے تاکہ وہ پاکستان کی فتح کے لئے اور کشمیر کی ہندوستانی غلامی سے نجات کے لئے دعا کریں۔

بودھیوں کا "مادھو پورنیما" اسی زمانے میں آیا جب پرارتھنا کے لئے جلسے ہو رہے تھے ڈھاکہ میں دسو دھانند مہا تھیرو جیسے بزرگ نے پرارتھناؤں کی سربراہی کی۔ بعد میں مشرقی پاکستان کے وزیر صحت، مزدور اور رفاہِ عامہ، مسٹر ماؤنگ شو یرو چوہدری نے جو کافی ممتاز بودھی لیڈر ہیں، مجمع سے خطاب کیا۔

بودھی وزیر نے کہا: "تاریخ کو دیکھا جائے تو ہندوستان کے برہمن اپنے اقتدار کے زمانے میں ہمیشہ بودھوں، سکھوں اور مسلمانوں پر تشدد کرتے رہے ہیں۔ اپنے ہمسایوں کی طرف ان کا رویہ ہمیشہ استعمارانہ رہا ہے"۔ اس نے حکومت پاکستان کو یقین دلایا کہ بودھی، بھارتی حملہ آوروں کے خلاف تمام پاکستانیوں کے ہمراہ شانہ بشانہ لڑیں گے۔

کرشی سنگھ کے جنرل سیکرٹری مسٹر ڈی پی یاروا نے کہا کہ سنگھ دنیا بھر کے بودھوں کو کشمیری عوام کی بھارتی سامراجیت کے خلاف برحق جدوجہد کی اخلاقی مدد فراہم کرنے کے لئے باقاعدہ اپیل جاری کر رہی ہے۔

ہندو بھی اپنے اس ارادہ کے اظہار میں پیچھے نہیں رہے کہ وہ بھارت کے بزدلانہ حملے کے خلاف پاکستانی عوام کے دوسرے طبقوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ کھلنا کے ممتاز ہندو لیڈروں نے جن میں مسٹر پولائی گوش، مسٹر پی سی گپتا، ڈاکٹر چکرورتی اور ڈاکٹر بنوڈ بہاری بھی شامل تھے، ایک مشترکہ بیان میں یہ کہا کہ

"اب وقت آگیا ہے کہ بھارتی جنگ بازوں کو سبق سکھایا جائے اور انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے پاکستان میں اقلیتوں پر تشدد کی من گھڑت کہانی کی تردید کی۔ اور کہا "اقلیتیں پاکستان میں امن اور خوشی سے زندگی بسر کر رہی ہیں، انہیں بھارتی پروپیگنڈہ دھوکہ نہیں دے سکتا۔ ہم اپنے اکثریتی بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنے کو کھڑے ہیں۔ اور دشمن کے مقابلہ میں کسی بھی قربانی کو زیادہ نہیں سمجھتے"۔

اسی طرح کراچی اور کتنے ہی دوسرے شہروں کے ہندوؤں نے اکثریتی جماعت کے ساتھ یگانگت کا اظہار کیا۔ قومی دفاعی فنڈ میں چندے دیئے اور بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔

شری آدی بالمیکی مندر میں جو جلسہ ہوا اس میں کراچی کے ہندوؤں نے بھارت کی بربریت اور اس کی غیر انسانی پالیسیوں کے بارے میں جو کچھ کہا وہ بھارت کی دروغ گوئی کا ایک اور جواب ہے۔ انہوں نے کہا "بھارتی فضائیہ کا شہریوں پر حملہ کرنا ایک مجنونانہ اور بہیمانہ فعل ہے۔ مسٹر شاستری نے جو مغربی ممالک کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہیں، ہندو جاتی کی ساری دنیا میں رسوائی کی ہے۔ پاکستان ہمارا وطن ہے اور جو حملہ آور اس کی آزادی پر دست درازی کرے ہم اس کی اچھی طرح خبر لیں گے۔"

کراچی کے آتش کدہ "پرجیکادار مہر" میں پارسیوں کا اجتماع ہوا تاکہ بھارت نے پاکستان کی مقدس سرزمین پر جو بلا وجہ حملہ کیا ہے اس کے خلاف پاکستان کی کامیابی کے لئے دعا کی جائے۔ بعد میں مسٹر سہراب ہومی جہانہ، صدر کراچی پارسی انجمن ٹرسٹ فنڈ، نے پارسی فرقہ کی طرف سے صدر ایوب خاں کو بذریعہ تار کے ذریعہ ایک پیغام دیا۔ جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ کہا گیا تھا کہ "ہم بھارت کے بلا وجہ حملہ کے خلاف پاکستان کے دفاع کے لئے اپنے محبوب صدر، حکومت پاکستان اور مسلح افواج کے لئے کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔ ہم اپنے کشمیری بھائیوں کو آزادی دلانے میں کامیابی کی دعا بھی کرتے ہیں۔"

قوم اس طرح یکایک دشمن کے اپنی سرزمین پر حملہ سے دوچار ہوئی تو اس نے اپنے احساس فرض کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اس کا ہر طبقہ، ہر جماعت، ہر ہر فرد

آپس میں مجتمع ہو گئے اور قومی وحدت کی ایک سنگین فصیل کی صورت اختیار کر لی۔ قومی سربراہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کی اندرونی کش مکش اور جھگڑے خواہ کچھ بھی ہوں جب بھی ملک کسی آزمائش سے دوچار ہو گا، تو اس کی ضرورت اسے متحد، ثابت قدم اور پاکستان کے لئے جینے اور مرنے کے لئے آمادہ پائے گی

جیسا کہ صدر ایوب نے بڑے ہی بلیغ الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے "ہم نے قربانی کا مفہوم سمجھ لیا ہے۔ وہ روایات جو ہماری گھٹی میں پڑی ہیں، وہ پھر ابھر آئیں اور ہم نے تاریخ اسلام میں جو کچھ بھی سیکھا ہے، اس کی نئے سرے سے تائید ہو گئی"

جیسا کہ صدر ایوب نے کہا ہے "یہ سب ایک بڑا گہرا تجربہ ہے۔ یہ کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں۔ اور نہ کوئی ہنگامی واقعہ ہے۔ اس نے ہمارے لئے زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مستقبل ضابطۂ عمل مقرر کر دیا ہے جو فی الحقیقت اسلامی دستور حیات ہی ہے"

# شریکِ بزم و رزم

ڈاکٹر رحمانی بیگم

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ۶ ستمبر سے جو جنگ شروع ہوئی وہ پاکستانی عورت کی وطن دوستی، سیاسی اور سماجی شعور، تعلیم اور تنظیم میں اس کی ترقی کو ناپنے کا ایک پیمانہ بن گئی ہے۔ جنگ کے اس مختصر سے دور میں جس تیزی کے ساتھ اس نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا، اور جس جوش اور تنظیم کے ساتھ اپنے وطن کی خدمت کی اس سے اگر ایک طرف نئے زمانے کے مطابق اس کی ترقی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں ان شاندار روایتوں کی جائز وارث ہے جو تاریخ میں مسلم عورت سے ہمیشہ منسوب رہی ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں عورتوں نے جنگ

کے موقع پر زبردست کارنامے انجام دیئے۔ اور بے شمار طریقوں سے ملک و قوم کے دفاع میں حصہ لیا۔ انہوں نے میدانِ جنگ میں زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کی۔ لڑنے والوں کو ہتھیار اور رسد بہم پہنچائی۔ میدانِ جنگ میں شجاعت اور بہادری کے قصے سنا سنا کر لڑنے والوں کے دل بڑھائے بلکہ بعض اوقات مردوں کے شانہ بشانہ لڑائی میں حصہ لے کر مردوں کے برابر بہادری کے جوہر دکھلائے۔

آنحضرتؐ کے زمانے کی بعض عورتوں مثلاً ام ورقہ، ام حرام بنت ملیحان، ہندہ ابوسفیان۔ ام عمارہ۔ ام سلیم وغیرہ کے کارنامے مسلمانوں کو عام طور پر یاد ہیں۔ حضرت معاویہ کی والدہ ہندہ اسلام لانے کے بعد کئی غزوات میں شریک ہوئیں۔ غزوہ یرموک میں بھی آپ شریک تھیں اور نہایت بے جگری اور دلسوزی سے جنگی خدمات انجام دیں۔ اس جنگ میں جس وقت مسلمانوں کو شکست ہوئی ہندہ جان توڑ کر لڑ رہی تھیں اور مسلمانوں کو جوشیلے اشعار کے ذریعے تازہ دم اور باہمت بنا رہی تھیں۔

غزوہ احد میں ام عمارہ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ عین اس وقت جب کہ کفار مسلمانوں کو قتل کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے ام عمارہ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ شانے پر ایک کاری زخم آیا مگر میدان سے ہٹنے کا نام نہ لیا۔ یہی خاتون بیعت الرضوان میں بھی شریک تھیں جہاں مسلمانوں سے کفار کے مقابلے میں جان دینے کی بیعت لی گئی تھی۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں جو جنگ مسیلمہ کے خلاف ہوئی اس میں ام عمارہ بھی شریک تھیں اور اس قدر پامردی سے لڑیں کہ بارہ زخم لگے اور ایک بازو کٹ گیا۔

یہی حال ام سلیم کا تھا۔ جب غزوہ حنین میں کفار کے لشکر نے مسلمانوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ بڑے بڑے بہادر ثابت قدم نہ رہ سکے تھے تو اس وقت آپ ہاتھ میں خنجر

لئے کھڑی ہوئی تھیں کہ کوئی کافر ادھر سے گزرے تو اس کے پیٹ میں خنجر بھونک دیں۔

اسماء بنت یزید نے جنگ یرموک میں تن تنہا نو آدمیوں کو خیمہ کی ایک میخ سے ہلاک کر دیا۔

مسلم عورت کے اس جوش اور جذبۂ جہاد میں کوئی کمی نہ آئی۔ بلکہ جب کبھی آزمائش کا موقع آیا تو جنگ کے میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ لڑ کر اس نے اپنے ملک کی خدمت کی۔ مسلم تاریخ کے نئے دور میں بھی ان کی جنگی خدمات کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ جب پہلی جنگ عظیم میں ترکی جنگ کی آفت میں گھر گیا تو نہ صرف مردوں نے بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا بلکہ عورتوں نے بھی بہادرانہ کارنامے انجام دیئے۔ دوسری مرتبہ جب ترکی کو آرمینیا کی جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو ترک عورتوں نے جو کام انجام دیئے اور جس بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا اس کا ذکر کرتے ہوئے ترکی کے قائد اور جرنیل غازی رؤف بے نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "اس جنگ میں سب سے زیادہ جو چیز حیرت انگیز تھی وہ عورتوں کا نہایت بے جگری اور دلسوزی کے ساتھ جنگ میں حصّہ لینا تھا۔ اس جنگ میں عورتوں نے بڑے بڑے کام انجام دیئے اور بہادری سے لڑیں۔ یہاں تک کہ صرف دو سو آرمنی ایک دن میں عورتوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ علاوہ بریں وہ انتہائی خطرناک مواقع پر گھنٹوں اسلحہ اور رسد کی فراہمی کی خدمت انجام دیتی رہیں۔" ان بہادر عورتوں میں سے ایک بہادر خاتون فاطمہ یوسف خانم تھیں جو ترکی کی تاریخ میں اپنے جنگی کاموں کے لئے مشہور ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے قسطنطنیہ کے ایک اخبار "العدل" نے لکھا تھا: "محترمہ فاطمہ یوسف خانم کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ اس معزز خاتون نے اناطولیہ کے طبقۂ نسواں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہے۔ اور اکثر خواتین کو میدان جنگ میں خدمت بجا لانے پر آمادہ کر دیا ہے۔ ترکی حکومت نے ان

خواتین کے حسنِ خدمات کے صلے میں انعام و اکرام دینے چاہے مگر ان غیور اور باحمیت خواتین نے کسی قسم کا معاوضہ لینے سے انکار کر دیا۔

جنگ عظیم کے بعد تو انہوں نے کالجوں میں جنگی معاملات اور اصول حرب کی تعلیم بھی باقاعدہ حاصل کرنی شروع کی۔ چنانچہ آج ترکی فوج میں بعض عورتیں بھی قائد کے طور پر کام کر رہی ہیں۔

عورتوں کی یہ بہادری ترکی تک ہی محدود نہیں۔ الجزائر کی ہم عصر تاریخ اس کی مزید مثالیں پیش کرتی ہے۔ الجزائر نے فرانس کے جوئے سے آزاد ہونے کی جدوجہد کی تو عورتیں بھی آزادی کی اس جنگ میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ الجزائر کے لاکھوں سپوتوں نے اپنے ملک کے لئے جان دے دی۔ اگرچہ شہیدوں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن عورتوں کی تعداد بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ الجزائر کی نوجوان لڑکیوں کا سیاسی اور سماجی شعور اتنا بڑھا ہوا ہے کہ انہوں نے بالکل مردوں کے سے کام انجام دیئے۔ وہ مستعدی کے ساتھ محاذ پر لڑتی تھیں۔ چھاپہ مار دستوں میں شریک تھیں۔ دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر لانا، جاسوسی کرنا، پڑھے لکھے لوگوں میں انقلابی تحریک کو مقبول بنانا، پہاڑی علاقوں میں مردوں کے دوش بدوش لڑنا، یہ سب کچھ اُنہوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کا یہ جوش نوجوانوں تک ہی محدود نہ تھا۔ ادھیڑ اور بوڑھی عورتیں بھی اس جدوجہد میں برابر کی شریک تھیں۔ وہ خفیہ طور پر بم اور دوسرے ہتھیار بناتیں۔ محاذ پر جانے والے سپاہیوں کی میزبانی کرتیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی دیکھ بھال کرتیں۔ بعض خواتین نے تو اپنی غیر معمولی جرأت و بہادری کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ جمیلہ بوہری نے جو ایک چھوٹے سے قصبہ کی طالبہ تھیں۔ اس جنگ میں زبردست خراج تحسین حاصل کیا۔ وہ فرانسیسیوں

کے ہاتھوں قید ہو گئی تھیں۔ قید میں ان پر ہر طرح کی سختی کی گئی لیکن وطن پرستوں کی خفیہ جنگی کارروائی یا ان کا راز نہ بتایا۔

جمیلہ بوہری کی طرح فریدہ بنتر اور باوزبھی الجزائر کی وہ بہادر لڑکیاں ہیں جنہیں ان کے جنگی کارناموں کی بدولت بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی۔

پاکستان اور ہندوستان کی حالیہ جنگ میں پاکستانی عورتیں بھی اپنے ملک کے دفاع میں ترکی اور الجزائر کی عورتوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ اگر پاکستان کے ہر سپاہی نے اپنے ملک کے دفاع کے لئے جان کی بازی لگا رکھی ہے تو پاکستانی عورت بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ دشمن کے اچانک حملے نے ہمارے وطن کو کیسے خطرہ میں ڈال دیا ہے اور ملک کے باشندے پورے ضبط و نظم کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ نہ کریں تو کیسے خوفناک نتائج نکل سکتے ہیں جس طرح محاذ پر لڑنے والے سپاہی۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتی ہے کہ آج کل کی لڑائی صرف فوجیں ہی نہیں لڑتیں۔ بلکہ اس میں ساری شہری آبادی بھی شریک ہو جاتی ہے۔ آج جو قوم جس قدر منظم اور متحد ہوتی ہے اور اس کے افراد میں جتنا سیاسی اور سماجی شعور پایا جاتا ہے اتنا ہی اس میں دشمن کے مقابلے کی طاقت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ پاکستانی عورت نے اپنی سرگرمیوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ نئے دور کی جنگ کے اس نکتہ کو خوب سمجھتی ہے۔ پاکستانی عورت کا سیاسی اور سماجی شعور اتنا ترقی پا چکا ہے کہ وہ کسی طرح ترقی یافتہ ملکوں کی عورتوں سے پیچھے نہیں۔ جنگ شروع ہوتے ہی عورتوں نے اس احساس کے ساتھ دفاعی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا کہ آج کی پاکستانی عورت پر پہلے کی بہ نسبت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں اور اس کی جدوجہد کے دائرے کہیں زیادہ وسیع ہو گئے ہیں۔ پاکستانی عورت اپنی تنظیم اور اپنی فرض شناسی کی وجہ سے اپنے

آپ کو اس قابل ثابت کر چکی ہے کہ خطرے کے وقت اپنے ملک کی مختلف طریقوں سے زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے۔ چنانچہ جنگ شروع ہوتے ہی حواس باختہ ہونے اور اپنے سارے معاملات اور متعلقین کو پریشان کر دینے کی بجائے اس نے بڑے استقلال اور تنظیم کے ساتھ ملک کی دفاعی کارروائیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ باشعور خواتین جنگ کے دوران میں برابر کوشش کرتی رہیں کہ محاذ جنگ پر فوجیوں کی شہادت یا کسی مقام پر دشمن کے مقابلہ میں پسپائی کی خبروں سے عوام کا دل چھوٹنے نہ پائے۔ ۱۸ ستمبر کو وزیر خارجہ مسٹر بھٹو کی بیگم صاحبہ نے ریڈیو پاکستان سے ایک تقریر نشر کی جس کا بڑا مقصد عوام کی ہمت بندھانا اور خواتین میں انتشار اور بے چینی پھیلانے سے روکنا تھا۔ انہوں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ دشمن کے چیلنج کے جواب میں مرنے والے بھائیوں کے لئے جذبہ حب الوطنی میں کوئی کمی نہیں آئی"۔ انہوں نے خواتین سے کہا "دشمن محاذ پر شکست کھانے کے بعد افواہیں پھیلانے میں مصروف ہے اور قطعی بے اصولی سے کام لے رہا ہے۔ ہمیں سرکاری طور پر تصدیق ہو جانے سے قبل ایسی افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہیئے"۔ اس واقعہ کی بدولت کہ ملک پر دشمن کے اچانک حملے کا حال سن کر عورتیں بوکھلا نہیں گئیں ہمارے قوم کے اخلاق کو مضبوط اور اونچا رکھنے میں بے حد مدد ملی۔ اسی کا اثر تھا کہ ہماری روزمرہ زندگی میں کوئی انتشار پیدا نہیں ہونے پایا۔ ملک کی دفاعی سرگرمیوں اور روزمرہ زندگی کی مصروفیتوں میں ایک ہم آہنگی اور توازن قائم رہا۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی حالات کی نزاکت کو سمجھ کر خواتین نے جس تیزی کے ساتھ ملکی دفاع میں شریک ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔ ان کے سیاسی اور سماجی شعور کی ترقی کا پتہ دیتا ہے۔ یہ چیز زمانۂ جدید کی نہایت ترقی یافتہ اور باشعور قوموں میں پائی جاتی ہے اور پاکستانی عورت نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس میں بھی اتنا شعور پیدا ہو گیا ہے کہ

اب وہ بھی حالات کی اہمیت کو سمجھنے اور ان کے مطابق کام کرنے میں دنیا کی کسی عورت سے پیچھے نہیں۔ ۶ ستمبر کو باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور ۸ ستمبر کے اخباروں میں ہم پڑھتے ہیں کہ عورتوں کی انجمنوں نے دفاعی کمیٹیاں بنانی شروع کر دی ہیں۔

جنگ میں سب سے پہلا اور اہم کام لوگوں کو پاکستان کے صحیح موقف سے واقف کرانا تھا۔ یہ کام اس لئے بھی ضروری تھا کہ بھارت اور اس کے بعض طرف دار ملک جنگ کی ساری ذمہ داری پاکستان کے سر تھوپنا چاہتے تھے۔ اس موقع پر ضروری تھا کہ قوم کا ہر طبقہ ہماری حکومت کو یقین دلاتا کہ وہ پاکستان کے صحیح موقف سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اس جد و جہد میں سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے ہر طبقے کے لوگوں نے حکومت کو نہ صرف اس بات کا یقین دلا دیا کہ وہ پاکستان کی جد و جہد کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ یہ کہ وہ ہر طرح سے خدمت کرنے کو حاضر ہیں۔ پاکستانی خواتین کو بھی اس ضرورت کا پورا پورا احساس تھا۔ انہوں نے حکومت کو اپنی حمایت کا یقین دلانے اور قوم کے اتحاد اور تنظیم کو مضبوط بنانے کے لئے پُر امن جلوس نکالے۔ نمائندہ کمیٹیوں کے ہنگامی اجلاس کئے اور قراردادیں منظور کیں کہ وہ پاکستان کے دفاع کے لئے متحد ہیں۔ اور کشمیری مجاہدین کی پوری پوری حمایت کرتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی خواتین کی سب سے بڑی تنظیم اپوا نے جس کی شاخیں مغربی اور مشرقی پاکستان کے تقریباً ہر ضلع میں موجود ہیں، اس کام کی طرف فوری توجہ کی۔ اپوا کی مستقل صدر بیگم لیاقت علی خاں نے جو اس وقت روم میں پاکستانی سفیر کی خدمات انجام دے رہی ہیں، ایک تار کے ذریعہ سے حکومت کو اپنی حمایت کا یقین دلایا اور اپوا سے آگے بڑھ کر ملک و قوم کی ممکنہ خدمات انجام دینے کی اپیل کی۔ انہوں نے لکھا کہ "ہمارا پیارا وطن جنگ کے شعلوں میں گھر گیا ہے۔ آپ لوگوں نے اپنے خلوص، وفاداری اور محبت کا مظاہرہ تقسیم ہند

کے وقت کیا تھا۔ اور اس وقت سے لے کر آج تک اپنی قوم کی بھلائی کے لئے استقلال اور کامیابی سے جدوجہد کی ہے۔ اب میں آپ سے اپیل کرتی ہوں کہ پھر ایک بار اس سے دُگنے خلوص، وفاداری اور جوش کے ساتھ آپ اپنے زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال، متاثرہ خاندانوں کی نگہداشت لوگوں کے اخلاق بلند رکھنے، اور مختلف اور متعدد طریقوں سے مدد دینے کے لئے حکومت کا ساتھ دیں۔" انہوں نے کہا کہ اس ابتلا اور آزمائش کی کٹھن گھڑی میں پاکستان کو آپ کی ہمیشہ سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آگے بڑھیئے۔ خدا آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے"

دوسری نمائندہ جماعتوں نے بھی جنگ میں پاکستان کے موقف کی تائید کی اور حکومت کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس مشکل وقت میں وہ اس کے ساتھ ہیں۔ اور ملک و قوم کی ہر ممکنہ خدمت کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ انجمن خدمت مجاہدین۔ ویمنز کشمیر ایکشن کمیٹی۔ جنگی فنڈ ایسوسی ایشن کراچی کونسل فار چائلڈ ویلفیر، ویمنز رفیوجی ری ہیبلیٹیشن ایسوسی ایشن وغیرہ وغیرہ نے اس مطلب کی قراردادیں منظور کیں کہ وہ پاکستان کے جائز مقصد کے حاصل کرنے کی جدوجہد میں ساری قوم کے ساتھ ہیں۔

عورتوں کی مختلف انجمنوں نے علیحدہ علیحدہ جلسے کرنے کے علاوہ اتحاد و نظم پیدا کرنے کی خاطر مختلف سیاسی اور سماجی انجمنوں کے مشترکہ اجلاس بھی کئے جن میں پاکستان پر ہندوستانی فوجوں کے اچانک حملے کی پُر زور مذمت کی اور بتایا کہ بھارت نے جنگ بندی لائن اور بین الاقوامی سرحد کو پار کر کے پاکستانی شہروں پر جو بمباری کی ہے وہ صرف پاکستان ہی کے لئے نہیں بلکہ دُنیا بھر کے امن پسند ملکوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ ان جلسوں میں سامراجی ملکوں کے جارحانہ عزائم کی بھی مذمت کی گئی۔ خواتین کی بعض کمیٹیوں مثلاً ویمنز کشمیر ایکشن کمیٹی

(WOMENS' KASHMIR ACTION COMMITTEE) نے اپنا ایک وفد جناب عبدالحمید خاں صدر آزاد کشمیر و جموں سے ملاقات کی غرض سے بھیجا اور انہیں کشمیری مجاہدین کی حمایت کا یقین دلایا۔ اس کی سکریٹری بیگم محمودہ سلطان نے کشمیری مجاہدین کی حمایت میں بہت بڑا جلوس نکالا۔

اس طرح حکومت اور قوم کو یکجہتی اور تعاون کا یقین دلانے کے بعد خواتین نے ملکی دفاع کے سلسلے میں عملی قدم اٹھانے شروع کئے۔ موجودہ جنگ کے مضر اثرات سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اندرون شہر حفاظتی تدابیر اختیار کریں اور پبلک کے حوصلے بلند رکھیں۔ چنانچہ یہ ہوائی حملوں کی صورت میں اپنے بچاؤ اور دوسروں کی مدد کے لئے خواتین کی تنظیموں کی طرف سے شہری دفاع اور پہلی امداد کے تربیتی مرکز کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے ہر اہم مقام پر اور بڑے شہروں میں جگہ جگہ شہری دفاع اور طبی امداد کے مرکز قائم کرنے کا کام شروع ہوا۔ پشاور۔ پنڈی۔ خیرپور۔ کوئٹہ۔ حیدرآباد۔ کراچی۔ ڈھاکہ۔ میمن سنگھ۔ جمالپور نواکھالی، فرید پور۔ دیناج پور۔ چٹاگانگ میں کئی کئی مرکز کھولے گئے۔ ۸ ستمبر سے بیگم عجیب النسأ الموم نے جو قومی اسمبلی کی رکن بھی ہیں کراچی کے مختلف مقامات پر شہری دفاع اور طبی امداد کے مرکز قائم کئے اور خواتین رضاکاروں کی بھرتی شروع کر دی۔ اپوا نے بھی مختلف شہروں میں مقامی شاخوں کے تحت شہری دفاع کے مرکز کھولے۔ چنانچہ ان کی پہلی ہی کوشش میں کراچی میں کوئی بارہ مرکز قائم کئے گئے۔ دیگر محلوں کی خواتین کی خواہش پر مزید مرکز قائم کرنے کا انتظام کر دیا گیا۔ نیز ان خواتین سے بھی رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جنہوں نے پہلے ہی شہری دفاع کی تربیت حاصل کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اپوا کے تمام تعلیمی اداروں میں استانیوں اور ثانوی جماعتوں کی طالبات کو بھی شہری دفاع کی تربیت دلانے کے انتظامات

کئے گئے۔

شہری دفاع کی تربیتی مہم خواتین کی دوسری انجمنوں نے بھی بڑے جوش و خروش سے شروع کی۔ چنانچہ کراچی کونسل فار چائلڈ ولفیر نے جس کی صدر بیگم اختر سلیمان ہیں ۸ ستمبر تک دو سو عورتوں کو دفاعی تربیت مکمل کرنے پر سرٹیفکیٹ دیئے۔ صرف کراچی میں رضاکار نرسنگ کی تربیت کے لئے دو سو سے زائد خواتین نے اپنا نام رجسٹر کروایا۔ پاکستان ویمنز والنٹیئر کور کا تربیت یافتہ پہلا دستہ تین سو خواتین پر مشتمل تھا۔ انجمن رضائے الٰہی خواتین ڈرگ روڈ کالونی نے شہری دفاع کا ایک مرکز قائم کیا۔ ۱۸ ستمبر والی اپنی ریڈیائی تقریر میں بیگم بھٹو نے کہا تھا "میں نے خواتین سے رضاکاروں کی حیثیت سے تربیت حاصل کرنے کی جو اپیل کی تھی اس کا خاطر خواہ جواب ملا ہے" خواتین کی شہری دفاع حاصل کرنے کی جدوجہد صرف کراچی تک محدود نہ تھی بلکہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے ہر بڑے شہر میں ان کے جوش و تنظیم کا یکساں حال تھا۔ راولپنڈی میں ۲۶ ستمبر تک پانچ سو پچاس لڑکیوں نے فرسٹ ایڈ کی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ بہاولپور میں تمام زنانہ مدارس کی انسپکٹروں اور ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹرسوں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ہر ہفتہ اپنے اپنے علاقے میں خواتین کے اجلاس منعقد کریں تاکہ انہیں شہری دفاع اور ہوائی حملوں کے وقت اپنا بچاؤ کرنے کے طریقوں کی تربیت دی جاسکے۔

شہری دفاع کے لئے زیادہ سے زیادہ خواتین کو تیار کرنے کا ملک کی خواتین کو اس قدر احساس تھا کہ جن خواتین نے پہلے سے شہری دفاع کی تربیت حاصل کر لی تھی اب اپنے اپنے گھروں میں شہری دفاع پر باقاعدہ لکچر شروع کر دیئے۔ چنانچہ صالحہ باقر حسین نے جو شہری دفاع کی ایک تربیت یافتہ انسٹرکٹر ہیں اپنے محلے میں رہنے والی عورتوں کے لئے لکچر شروع کر دیئے۔ دوسروں نے بھی کسی نہ کسی انجمن سے وابستگی اختیار کر لی۔

ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے خواتین کی مختلف تنظیموں نے اپنی سرگرمیوں کے دائرے نہایت وسیع کر لیے اور نہایت جانفشانی اور ہمدردی سے اپنے اپنے کاموں میں جُٹ گئیں۔ صوبائی ریڈ کراس سوسائٹی کی صدر بیگم وقار النساء نون نے سیالکوٹ کا دورہ کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ٹرک بھر کر روزمرہ ضروریات کی چیزیں لے گئی تھیں تاکہ ڈسکہ کے ریلیف کیمپ میں تقسیم کریں۔ ان چیزوں میں ڈائنز۔ چادریں۔ تکیہ کے غلاف۔ کپڑے۔ جوتے صابن اور دوائیں تھیں۔ بعد میں انہوں نے سیالکوٹ کے مشترکہ فوجی ہسپتال کا معائنہ کیا جہاں ریڈ کراس والے پابندی سے خون بھجوا رہے ہیں۔ ریلیف کیمپوں میں سوشل ورکرز لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ریڈ کراس سوسائٹی دامے درمے مدد کرنے کے لئے رات دن مصروف ہے اور بڑی مقدار میں خون اور دوائیں ہسپتالوں میں پہنچا رہی ہے۔

متعدد نئی کمیٹیاں بھی قائم کی گئیں۔ نیشنل عوامی پارٹی کے زیر اہتمام خواتین کی ایک دفاعی کمیٹی بنائی گئی۔ بیگم سروری عرفان اللہ کی صدارت میں انجمن خدمت مجاہدین قائم کی گئی۔ بیگم اختر سلیمان کی صدارت میں قومی دفاعی فنڈ کے لئے عطیات جمع کرنے اور امدادی کام کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اپوا کی طرف سے بھی شہری دفاع، طبی امداد کا سامان، گرم کپڑے اور دوسرے امدادی کام انجام دینے کے لئے کوئی بارہ کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ ریڈ کراس نے بھی ایک دفاعی کمیٹی قائم کی۔ پشاور یونیورسٹی کے ہوم اکنامکس شعبہ نے خواتین لکچررز کی چار کمیٹیاں قائم کیں تاکہ فنڈ جمع کریں۔

مختلف جماعتوں کی علیحدہ علیحدہ سرگرمیوں کے علاوہ قومی دفاعی کام کے لئے ان تنظیموں کے مشترکہ جلسے بھی ہوئے۔ چنانچہ ۱۰ ستمبر کو خواتین کی مختلف سماجی اور سیاسی انجمنوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا جس میں ۲۱ انجمنوں کی نمائندہ خواتین نے شرکت کی۔ پھر ان اکیس

نمائندہ خواتین کی ایک کمیٹی والنٹری آرگنائزیشن سنٹرل کمیٹی کے نام سے بنائی گئی' ان اراکین کو شہری دفاع کے اصول بتلائے گئے اور ان سے درخواست کی گئی کہ دوسرے اراکین کو بھی ان اصولوں کی تعلیم دیں۔

شہری دفاع اور پہلی طبی امداد کی تعلیم کے علاوہ جس میدان میں خواتین نے زبردست کامیابی حاصل کی وہ فوجیوں کے لئے عطیات جمع کرنے کا کام تھا۔ تقریباً ہر انجمن نے دفاعی فنڈ جمع کرنے کے لیے متعدد خواتین کی کمیٹی بنادی اور مختلف طریقوں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ۔ کپڑے۔ جوتے۔ دوائیں اور مجاہدین کے لئے کھانے پینے کی چیزیں جمع کیں۔ اپوا نے پہلے ہی جلسے میں ساڑھے پانچ ہزار روپے جمع کر لئے اور متعدد کمیٹیاں بنائیں جو گھر گھر جا کر دوائیں، گرم کپڑے۔ خشک میوہ۔ کمبل وغیرہ جمع کرتی تھیں۔ کراچی کونسل آف ویمنز والنٹیر کور نے کراچی کے کمشنر جناب سید دربار علی شاہ مسلح افواج میں تقسیم کرنے کے لئے تحائف پیش کئے۔ بجلے پینٹس کراچی کے ملازمین کی خواتین نے تین ہزار روپے کے کپڑے، زیورات اور نقد رقم جمع کی۔ بین الاقوامی خواتین کلب نے جنگی فنڈ میں دو ہزار روپے کا عطیہ دیا۔ اگریکلچرل بنک آف پاکستان کے اسٹاف کی بیویوں نے دو ہزار دو سو پچاس روپے دیئے۔ پی۔ آئی۔ اے کے عہدیداروں کی بیویوں نے اپنا چندہ الگ دیا۔ انجمن خدمت مجاہدین نے فوراً ایک ہزار سوئٹر بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ ممتاز ولفیر ایسوسی ایشن گلبرگ (لاہور) نے مجاہدین کے لئے اونی کپڑے بنوانے کے مرکز قائم کئے۔ لیاری لیبر ولفیر سنٹر نے پانچ سو روپے دیئے۔ خواتین کی انجمنوں کی طرح ملک بھر کے مدرسوں کی استانیوں اور طالبات نے بھی قومی دفاعی فنڈ میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ تمام استانیوں نے اپنی ایک دن کی آمدنی نذر کر دی۔ اور سارے اسکولوں میں طالبات نے

ان کے لئے مقرر ہوئی رقم سے زیادہ پیسے چندہ میں دیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواتین میں قومی دفاع میں مدد دینے کا ایسا جوش پیدا ہو گیا تھا کہ ان کمیٹیوں کو عطیے اور چندے جمع کرنے میں کوئی بڑی دشواری پیش نہیں آئی۔ بعض کمیٹیوں نے تو ان مقامات کے پتے بتا دیئے تھے جہاں ان کو اپنے اپنے عطیے جمع کرنے تھے۔ جنگ کے زمانے کا کوئی اخبار ایسی خواتین کے تذکرے سے خالی نہیں جنہوں نے اپنے زیورات، اپنا سارا سرمایہ اور اپنے کپڑے خوشی خوشی دفاعی فنڈ میں دے دیئے۔ اور ان میں غریب اور امیر سب ہی شریک ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کر دینا یہاں کافی ہو گا۔ سب سے پہلے خیر پور ڈویژن کے کمشنر ایم۔ آر۔ عنایت اور ان کی بیگم صاحبہ کا ذکر آتا ہے جنہوں نے دو جوڑے کپڑوں کے سب کچھ دفاعی فنڈ میں دے دیا۔ بلدیہ کراچی کے وائس چیئرمین محمد حبیب اللہ کی صاحبزادی مس رضیہ نے اپنے اور اپنی والدہ کے سارے زیور جن کی مالیت تقریباً ۲۵ ہزار روپے تھی، دفاعی فنڈ میں دے دیئے۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ملک کے دفاع اور جہاد کے لئے عورتوں کا جذبہ مردوں سے کسی طرح کم نہیں اور یہ بیان کیا کہ انہوں نے اور ان کی والدہ نے صدر مملکت کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اپنے تمام زیورات قومی دفاعی فنڈ میں دینے کا فیصلہ کیا ہے اور طے کیا ہے کہ جب تک بھارت سے جنگ جاری رہے گی نہ وہ زیور بنوائیں گی نہ پہنیں گی۔

لیڈی ڈاکٹر بیگم اشرف عباسی نے، جو لاڑکانہ صوبائی اسمبلی کی رکن بھی ہیں، شخصی عطیات کے علاوہ اسمبلی کی رکنیت کا کل معاوضہ ہنگامی حالات کے ختم ہونے تک دفاعی فنڈ میں دینے کا اعلان کر دیا۔ اسی طرح نواکھالی کی وظیفہ بیگم نے اپنے تمام زیورات

قومی دفاعی فنڈ میں دے دیئے۔ مانچسٹر میں رہنے والی ایک پاکستانی خاتون بیگم مسرت بشیر نے اپنی شادی کی انگوٹھی اور سارے زیورات جن کی مالیت، سو پونڈ تھی پاکستان کے قومی دفاعی فنڈ میں دے دیئے۔

لیکن ہمارے ملک کے وہ طبقے جو دولت اور علم دونوں نعمتوں سے محروم ہیں ان طبقوں کی خواتین کے عطیات ان کے ایثار اور وطن پرستی کا حیرت انگیز ثبوت پیش کرتے ہیں اور پاکستانی عورت کی قومی بیداری کا پتہ دیتے ہیں۔ ان محنت کش خواتین نے اپنی بچائی ہوئی ساری پونجی جو کبھی کبھی دس روپوں سے زیادہ نہ تھی خوشی خوشی قومی دفاع کے لیئے دے ڈالی۔ چنانچہ ایک غریب عورت نے اُپلے تھاپ تھاپ کر دو ہفتوں میں دس روپے کمائے اور وہ ساری پونجی دفاعی فنڈ میں دے دی۔ اس نے بتایا کہ اس نے دو ہفتوں تک صرف روٹی اور نمک کھا کھا کر یہ پیسے جمع کئے تھے۔ کراچی میں ایک ستر سالہ خاتون سیدہ محمودہ بانو نے جو بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی ہیں۔ قومی دفاعی فنڈ میں ایک سو ایک روپیہ دے دیئے۔ یہ رقم انہوں نے اپنی آنکھوں کے علاج کے لئے جمع کی تھی لیکن اسے عطیہ کے طور پر دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک و قوم کی سلامتی ان کی آنکھوں سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ نائی خاندان کی ایک خاتون خیر النساء نے اپنا سارا اثاثہ جو ڈھائی تولے سونے کی چوڑیوں پر مشتمل تھا دفاعی فنڈ میں دے دیا۔ جھنگ کی ایک غریب لڑکی نے اپنے گھر کا کل سرمایہ جو چھ تولے وزنی زیورات پر مشتمل تھا دفاعی فنڈ میں دے دیا۔

جنگی فنڈ میں عطیے جمع کرنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور جیسا کہ بیگم شہاب الدین نے ایک دفعہ اعلان کیا ان سرگرمیوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک

ملک میں ہنگامی حالات ختم نہیں ہوتے۔ مالی عطیات جو اس قدر خلوص اور ایثار سے دیئے جا رہے ہیں۔ پاکستانی خواتین کے اس معاشی شعور کو ظاہر کر رہے ہے جو زمانہ جدید کی خصوصیت ہے۔ ہر پاکستانی خاتون جو چندہ دیتی ہے محسوس کرتی ہے کہ ملک پر جنگ کا جو غیر معمولی بار پڑا ہے اس کو کم کرنے میں وہ بھی برابر کی شریک ہے۔

دفاعی کاموں کے لئے دن رات محنت کرنا۔ عمر بھر کی بچائی ہوئی پونجی اور تمام زیورات اور کپڑوں کو دفاعی فنڈ کی نذر کر دینا پاکستانی عورت کی ہمت، ایثار اور امن پرستی کا ایک پہلو ہے اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورتوں نے اپنی عزیز ترین دولت، شوہروں اور بیٹوں کو خوشی خوشی وطن پر نچھاور کر دیا اور جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو اس پر فخر کیا۔ راجستھان کے محاذ پر لڑتے ہوئے مرنے والے ایک پاکستانی سپاہی کو جب اس کے آبائی گاؤں حمرو میں دفن کیا جانے لگا تو اس کی ماں نے کہا "اس وقت کوئی شخص نہ روئے، میرا بیٹا رونا پسند نہیں کرے گا۔ وہ شہید ہے اور شہید مرا نہیں کرتے مجھے فخر ہے کہ میں اس شہید بیٹے کی ماں ہوں جس نے اپنے وطن اور اسلام پر جان دی ہے۔" میجر عزیز بھٹی کی شہادت پر ان کی ماں اور بیوی کے یہی جذبات تھے۔ اور جب محمد عمر سیالکوٹ کے میدان جنگ پر مارے گئے تو ان کی ماں کو سینکڑوں روپے امداد کی طور پر ملے لیکن بیٹے کو ملک پر نثار کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ ساری رقم بھی دفاعی فنڈ میں دے دی۔ لاچور (گجرات) میں بھی جب ایک مجاہد کی لاش دفنائی جا رہی تھی تو اس کی ماں نے لوگوں سے کہا "مجھے مبارک باد دو کہ میرا شمار بھی ان قابل فخر ماؤں میں ہو گیا ہے جن کے بیٹوں نے اسلام اور پاکستان پر اپنی جانیں نچھاور کر دی ہیں۔" شہید سپاہی تراب علی کی والدہ وزیر بیگم نے پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ کو تار

بھیجا ہے کہ "مجھے فخر ہے کہ میرے بیٹے نے مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے اپنی پیاری جان قربان کی" پاکستانی خواتین کا یہ قومی جذبہ انہیں دنیا کی عورتوں میں بہت اُونچی جگہ پہنچا دیتا ہے۔

نقد عطیوں اور تحفوں کے علاوہ زخمی سپاہیوں کی جان بچانے کے لئے مردوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں خواتین اور لڑکیوں نے بھی خون دینے کی پیش کش کی۔ گھنٹوں قطار میں کھڑے رہنے کی زحمت برداشت کی اور ہنسی خوشی ان جذبات کے ساتھ خون دیا کہ شاید وہ کسی زخمی کی جان بچا سکیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ان کا خون نہیں لیا گیا تو انہیں رنج ہُوا۔ لاہور میں جب ایک دبلی پتلی لڑکی مجاہدین کے لئے اپنا خون دینے گئی اور ڈاکٹروں نے اسے یہ کہہ کر خون لینے سے انکار کر دیا کہ اس کا وزن بہت کم ہے تو وہ لڑکی یہ کہہ کر رونے لگی کہ اسے اس قابل بھی نہیں سمجھا گیا کہ چلّو بھر خون دے کر کسی مجاہد کے کام آ جاتی۔

ہمارے قومی دفاع کا ایک اہم محاذ نفسیاتی تھا جسے ہمارے فن کاروں، شاعروں اور ادیبوں نے سنبھال رکھا تھا۔ سپاہیوں کا دل بڑھانے، امدادی کام کرنے والوں کو جوش دلانے، قوم کے حوصلے کو بلند رکھنے کے لئے شاعروں نے نظمیں لکھیں۔ اور ادیبوں نے مضامین لکھے۔ اس محاذ پر بھی خواتین مردوں کے دوش بدوش ہیں۔ چنانچہ پاکستان کی مشہور فلمی فن کار نورجہاں نے یہ پیش کش کی کہ وہ کسی معاوضے کے بغیر ریڈیو سے گیت سنائیں گی۔ نورجہاں نے کہا کہ وہ اپنے مقدس وطن کی سرحدوں پر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے والے پاکستانی فوج کے جری نوجوانوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور عوام کے جذبات کو ابھارنے کے لئے بلا معاوضہ ترانے گائیں گی۔ ریڈیو

پاکستان راولپنڈی کی مغنیہ انیقہ بانو نے بھی ریڈیو پاکستان کے لئے مفت ترانے ریکارڈ کئے۔ ممتاز ولفیر ایسوسی ایشن کے جلسے میں مس حشمت آرا حجاب اور مس نزہت نے اپنی نظموں میں کشمیریوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر مجمع کو رُلا دیا۔

کشمیر کی آزادی کی جدوجہد اور ہندوستان و پاکستان کی جنگ پر کراچی، لاہور، حیدرآباد اور پشاور کے شاعروں اور ادیبوں کی ولولہ انگیز تخلیقات ہر روز، رسالوں اور اخباروں میں چھپتی تھیں اور آج بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔

دیہات کی سیدھی سادی عورتیں بھی قومی دفاع کے لئے لوگوں کا حوصلہ بڑھانے میں اپنی شہری اور لکھی پڑھی بہنوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ اپنے وطن کے دفاع میں پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے جس طرح مردوں کو جوش دلایا، اس کا ایک واقعہ ذکر کے قابل ہے۔ جب مغربی پاکستان کے ایک سرحدی دیہات کے باشندے اس ڈر سے دیہات خالی کرنے لگے کہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو وہاں عورتوں نے انہیں غیرت دلائی کہ دشمن کا مقابلہ کئے بغیر بھاگ جانے سے اچھا تو یہ ہے کہ لڑتے ہوئے جان دیں۔ چنانچہ دوسرے دن جب ہندوستانی فوجوں نے حملہ کیا تو نہتے دیہاتیوں نے جیسے بھی بن پڑا ان کا مقابلہ کیا اور سب کے سب مارے گئے۔ لیکن وہاں کی عورتیں اس بات پر فخر کرتی ہیں۔ جنگ میں قومی حوصلے کو بلند رکھنے میں اس واقعہ کا جو اثر ہوا وہ ظاہر ہے۔

جہاں مختلف طریقوں سے قومی دفاع میں حصہ لینے سے پاکستانی خواتین کی مستعدی، ایثار اور تنظیم کا ثبوت ملتا ہے وہاں ان کی تقریریں، جلسے اور مظاہرے ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کشمیر کے مسئلے اور ہندوستان اور پاکستان

کی آویزش کے سیاسی پہلو پر بھی نظر رکھتی ہیں اور اپنی قومی سیاست کے مسئلہ کو بین الاقوامی سیاست کے پس منظر میں رکھ کر سمجھ سکتی ہیں اور سامراجی طاقتوں کے مفادات، ان کی ناانصافیوں اور ان کی چالبازیوں کو خوب جانتی ہیں۔ پاکستان و بھارت کی موجودہ جنگ کے بارے میں جو کچھ غیر ملکی طاقتوں نے اور سلامتی کونسل نے کیا اس کے بارے میں پاکستانی عورت نے ہمیشہ اپنی رائے باقاعدہ طور سے دنیا کے آگے پیش کی۔ چنانچہ جنگ کے ابتدائی زمانے میں جب کہ سلامتی کونسل نے جنگ بندی مشورہ دیا تو ملک کی دوسری سیاسی تنظیموں کے ساتھ خواتین کی مختلف جماعتوں نے بھی قراردادیں منظور کیں جن میں سلامتی کونسل کے فیصلے پر تنقید کی گئی۔ اور جب کشمیر کا مسئلہ منصفانہ طور پر حل کئے بغیر کونسل نے جنگ بند کرادی تو قوم کے دوسرے طبقوں کے ساتھ عورتوں نے بھی سامراجی طاقتوں کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ طالبات اور دوسری خواتین نے احتجاجی جلوس نکالے۔

ہندوستان اور پاکستان کی حالیہ جنگ بہت سے پہلوؤں سے بری سہی لیکن پاکستانی عورت کے متعلق اس کا ایک اثباتی پہلو خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ جنگ مختصر تھی لیکن پاکستانی عورت نے اس میں جس جس طرح حصّہ لیا ہے اس کی وجہ سے اس کا اثر اس کی سیاسی اور سماجی زندگی پر بہت دور دور اور بہت دیر تک پڑے گا۔ قومی دفاع میں اس کا شریک ہونا، ایثار پسندی اور وطن پرستی کے ایک وقتی جذبے کا اظہار نہیں ہے بلکہ غور سے دیکھیں تو پاکستانی عورت کی سیاسی زندگی میں ایک خاموش انقلاب کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ اس جنگ نے اس کے سیاسی شعور کو تیز کر دیا ہے۔ اسے قومی کاموں میں اپنے تعمیری کردار کی اہمیت کا اندازہ اس جنگ میں جتنا ہوا

ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اپنی اہمیت کا یہ احساس اُوپر کے طبقوں تک ہی
محدود نہیں ہے بلکہ نیچے کے طبقوں تک سرایت کر گیا ہے۔ دنیا کی دوسری ترقی یافتہ
سماجوں میں عورت نے اپنی جگہ اسی طرح بنائی ہے۔ پاکستان میں بھی جیسے جیسے جمہوریت
پھیلتی اور مضبوط ہوتی جائے گی پاکستانی عورت بھی قومی سیاست میں اپنا حق منواتی
جائے گی۔

# یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حالیہ جنگ میں کاروباری حلقوں کا اہم کردار

طفیل احمد خاں

# بھارتی جارحیت کا جواب تجارتی محاذ پر

"ہمارے تاجروں نے جس تجارتی اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس پر قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ انہوں نے عوام کو اشیاء کی قلت کا احساس بھی نہ ہونے دیا۔ اور تمام ملک میں قیمتوں میں ذرا بھی ردو بدل نہ ہوا۔ جنگ کے زمانے میں تاجروں کی طرف سے اس بے غرضی اور نظم و ضبط کے مظاہرہ کی مثال تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔"

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں
ماہانہ نشری تقریر مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء

کراچی میں ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح وہی موسم خزاں کی دوسری صبحوں کی سی آب و تاب لئے۔ اور وہی سمندر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی۔ لمبی چوڑی سڑکوں پر موٹروں، بسوں اور موٹر رکشاؤں کا وہی بے پناہ تانتا اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر آتی جاتی ٹراموں کی گڑگڑاہٹ، بازاروں اور گلی کوچوں میں وہی گہما گہمی وہی ہاؤ ہو اور انسانوں کی ریل پیل۔ کارخانوں کے ڈائرکٹر اور منیجر، دفتروں کے افسر اور اہلکار، دکاندار، فیکٹریوں کے مزدور اور طلباء سب کے سب اپنے اپنے ٹھکانوں، کارخانوں، منڈیوں، گودیوں، گوداموں، دفتروں، اسکولوں اور کالجوں کی طرف جوق در جوق، زور شور سے رواں دواں۔ اس پرامن فضاء میں جب ہر بات معمول کے مطابق تھی کسی کو مطلق خبر نہ تھی کہ سات سو میل دور ہماری لاہور کی سرحد پہ کیا گذری ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کیسے کیا ہو گیا ہے۔

جب سارے لوگ اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ تو یہ خبر یکایک آگ کی طرح پھیل گئی کہ اسی دن صبح سویرے بھارت کی ٹڈی دل فوجیں چوری چھپے ہماری مقدس سرزمین میں گھس آئی ہیں۔ اور انہوں نے لاہور پر تین اطراف سے حملہ کر دیا ہے۔ لیکن ہماری مسلح افواج نے ان کا ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ تھوڑی ہی دیر میں ہوا کا رخ پلٹ گیا۔ اور دشمن کو اس کی زبردست تعداد اور بے اندازہ سازوسامان کے باوجود اپنی سرحدوں سے پیچھے دھکیل دیا گیا۔

بھارت کے پاکستان پر یوں حملہ آور ہونے کی خبر سنکر سب حیران رہ گئے۔ کسی کو اس افتاد کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اور اب ہر کوئی یہ جاننے کا خواہاں تھا کہ صورت حال کیا ہے۔ جہاں کہیں ریڈیو تھے جلدی جلدی لگائے گئے اور لوگ ہمہ تن گوش ان کے گرد جمع ہو گئے ٹیلیفون پر ٹیلیفون کھڑکنے لگے۔ ہر کوئی اپنے دوستوں اور واقفوں سے تازہ ترین خبر حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور جو کچھا سے اڑتی اڑاتی خبریں ملتیں انہیں دوسروں تک پہنچا رہا تھا

اس خبر پر جو سب سے پہلا عوام کا ردعمل تھا وہ یہ تھا کہ بھارتی رہنماؤں نے یہ اقدام کر کے بھاری غلطی کی ہے۔ اور انہیں اس کا شدید خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ تھوڑی ہی دیر میں ریڈیو پر یہ پُرعزم آواز گونجتی ہوئی سنائی دی :۔

"میرے عزیز ہم وطنو !

اس آزمائش کے وقت آپ کو نہایت صبر و ضبط سے کام لینا ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کو ایک عظیم فرض ادا کرنا ہے۔ اس فرض کی ادئیگی میں آپ کو تن من دھن کی بازی لگانی پڑے گی۔ آپ دشمن کے حملے کا منہ توڑ

جواب دینے کیلئے تیار رہیں۔ انشاء اللہ دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں گے۔" یہ تھا صدر پاک کا خطاب قوم سے۔

## دشمن کا منہ توڑ جواب

اس ولولہ انگیز خطاب کی روح رواں یہ الفاظ تھے :۔

"دشمن پر ضرب لگاؤ اور کاری ضرب۔"

سوال یہ تھا کہ جہاں تک کاروبار اور صنعت و حرفت کا تعلق ہے۔ ان الفاظ کو عملی صورت کیسے عطا کی جائے۔ صدر پاکستان کے نشریہ کے پانچ ہی گھنٹے گھنٹے بعد فیڈریشن آف چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی مجلس انتظامیہ کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ ٹیلیفون پر اطلاع ملتے ہی اس کے اراکین فی الفور آن پہنچے۔ حالانکہ عام طور پر اجلاس کیلئے ۱۴ دن پہلے اطلاع لازم ہے۔ اجلاس میں بیشمار تجویزیں اور رائیں پیش کی گئیں۔ جن کا مرکز و محور ایک اور صرف ایک ہی بنیادی سوال تھا :۔

"یہ کہ دشمن پر کس طرح کاری ضرب لگائی جائے۔"

ہر کوئی زیادہ سے زیادہ فکر و بصیرت کا ثبوت دے رہا تھا۔ ہر رکن کے انداز گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود کو اپنے وطن کے اقتصادی محاذ کا پرجوش سپاہی خیال کرتا ہے۔ اس وقت تمام ارکان اپنی فکر و احساس میں تمام پاکستان کے تجارتی و کاروباری اور صنعتی حلقوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

# تمام وسائل حکومت کو پیش

اپنے وطن پاکستان اور اس کے تمام اداروں کی طرح ہمارے کاروباری حلقے کی عمر بھی اٹھارہ سال ہے جب جنگ کے حالات میں تجارت اور صنعت کو چلانے کا کوئی تجربہ تھا۔ گذشتہ عالمی جنگ میں تو سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا کیونکہ آزادی سے پہلے تو یہ حالت تھی کہ تجارت وصنعت کی باگ ڈور ساری کی ساری انگریزوں اور ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھی۔ وہی اس کے کرتا دھرتا اور مالک و مختار تھے۔ اگر ہمیں زمانۂ جنگ کا فوجی حیثیت سے کوئی اقتصادی تجربہ تھا بھی تو یہ کہ انگریز اور ہندوستانی تاجروں نے ہمیں بری طرح بھوکا مار دیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء میں جو مشہور قحط پڑا تھا اس کا خمیازہ انہی علاقوں کے لوگوں کو بھگتنا پڑا تھا۔ جو آج مشرقی پاکستان میں شامل ہیں۔ ہمارے لوگوں کو تو قیام پاکستان کے بعد ہی اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع ملا۔ اور انہیں بہت ہی تھوڑے عرصے میں تجارت وصنعت کے میدان میں زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ حالانکہ ہمارے بہت سے مغربی دوست ہمیں بڑی عیاری سے غلط مشورے دیتے رہے۔ اور اب بھی ہماری تجارت اور صنعت و حرفت پر قابض رہنے کیلئے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے۔ یہ حالات تھے جن کی بنا پر فیڈریشن نے اپنے ۶ ستمبر کے تاریخی اجلاس میں متفقہ طور قرارداد منظور کی:۔

"ملک کے دفاع اور دشمن کو پاکستان کی مقدس سرزمین سے

مار بھگانے کیلئے کاروباری جماعت اپنے تمام وسائل حکومت کو پیش کرتی ہے۔

اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے فوری اقدامات کئے گئے۔

فیڈریشن کے صدر جناب لطیف ابراہیم جمال نے تاجروں سے ہر روز اپیل کی کہ وہ صدر کے قائم کردہ "قومی دفاعی فنڈ" میں زیادہ سے زیادہ چندہ دیں۔ اس ضمن میں جمال صاحب نے ہزاروں سرکلر اپنے دستخط سے بھیجے۔ اخبارات میں اشتہارات دیئے۔ اور وقت بچانے کیلئے ٹیلیفون پر بھی تاجروں سے اپیل کی۔

ریزولیشن میں کہا گیا:۔

"کسی تاجر کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں جو کچھ ہے وہ سب قوم و ملک کا ہے۔"

پھر کیا تھا۔ روپوں اور عطیات کی بارش ہونے لگی۔ بینک کلرکوں کا کام کئی گنا بڑھ گیا۔

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا:۔

"ہندوستان کے جارحانہ حملے کو پسپا کرنے میں ہماری بہادر افواج نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس پر ہم انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور ان کی کوششوں کو کامیاب بنانے کیلئے ہم انہیں اپنی حمایت کا پورا پورا یقین دلاتے ہیں۔"

# معاشی محاذ کے سپاہی

۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو کراچی میں ایک اور اجلاس بلایا گیا۔ جس میں پاکستان کے تمام تجارتی و صنعتی اداروں کے صدر اور چیئرمین شریک ہوئے۔ دفاعی مساعی میں شرکت کرنے سے متعلق مفید تجاویز پیش کی گئیں۔ بنیادی سوال یہ تھا کہ پیداوار کی موجودہ رفتار صرف برقرار ہی نہ رکھی جائے۔ بلکہ مشکلات پر قابو پاتے ہوئے ہر مشین سے زیادہ سے زیادہ کام لیکر پیداوار بڑھائی جائے۔ اور اس کیلئے ضروری ہے کہ پیداوار سے متعلق اشیاء کی کمی کسی وقت محسوس نہ ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں میں اشیاء کی نقل و حمل جاری رہے۔ اشیائ کی برآمد کیلئے بھی مناسب بندوبست ہونا چاہیئے۔ تاکہ لگاتار پیداوار کی وجہ سے سرمایہ کی کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔

دشمن کے ہوائی حملہ اور چھاتہ بردار ایجنٹوں کی کمینہ تحریب کاریوں سے محفوظ رہنے کیلئے فیکٹریوں میں عملی اور تنظیمی اقدامات کا کیا جانا ضروری تھا۔ فیکٹریوں کی عمارتوں، گوداموں، تمام صنعتی مال اور ایسے مال کا جو ابھی تک کارخانوں میں نہیں پہنچ سکا بیمہ کرانا ضروری خیال کیا گیا۔ ہمارے درآمدی اور برآمدی مال اور سمندر میں جو پاکستانی جہاز ہیں ان کیلئے حفاظتی تدابیر کرنے، غیر ملکی جہازوں میں جو ہمارا سامان ہے اسے دشمنوں کی دست برد سے بچانے، دشمن سے چھینے ہوئے ممنوعہ مال کے استعمال سے متعلق تمام سوالات پر تفصیلی بحث ہوئی، اور اس بارے میں حکومت کو تجاویز بھیج دی گئیں۔ اور

یہ طے پایا کہ غیر ملکی جہاز راں کمپنیاں ہندوستان اور پاکستان دونوں کو الگ الگ جہاز پر سامان بھیجیں۔ بعد ازاں صوبہ اور دونوں صوبوں کے درمیان خام اور تیار شدہ مال کی نقل و حمل کیلئے ہر نیا اور پرانا طریقہ استعمال کیا جائے۔

یہ اطلاع بڑی اطمینان بخش تھی کہ مغربی و مشرقی پاکستان دونوں میں غلہ کی وافر مقدار موجود ہے۔ خدا کے فضل سے اس مرتبہ چاول اور مکی کی فصلیں غیر معمولی طور پر اچھی ہوئیں۔ ایک طرف ہمارے جفاکش کسانوں نے پیداوار کیلئے کھیتوں میں بڑی سخت محنت کی۔ اور دوسری طرف ان کے دلیر اور باہمت بیٹوں نے سرحدوں پر جاکر دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اجلاس میں اس خبر پر بھی مسرت کا اظہار کیا گیا کہ جنگ کی وجہ سے پی آئی اے کی جو ہوائی سروس اور خط و کتابت معطل ہو گئی تھی وہ آغاز جنگ کے چند ہی روز بعد صوبوں کے درمیان پھر شروع کر دی گئی۔ فیڈریشن کے ایک ممبر نے کہا:۔

"بھارتی رہنماؤں کا دائرہ ضرب بڑا محدود ہو گیا ہے۔ اور اب وہ ہمارے صوبوں کے درمیان رسل و رسائل کو نہیں روک سکتے۔"

## کنٹرول کے بغیر قیمتیں معمول پر رہیں

بزنس کمیونٹی کی اخلاقی حالت کا اندازہ دو نہایت اہم اقدامات سے بخوبی ہو سکتا ہے:۔

(۱) اول تو یہ کہ تمام صنعت کار اور تاجر اس بات پر متفق تھے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بالکل اضافہ نہ ہو۔ چاہے نقصان ہو یا فائدہ۔ چنانچہ پرانا دستور ہی ختم ہو گیا کہ اشیاء

کی قیمتوں کے تعین کا دارومدار ان کی فراہمی اور مانگ پر ہوتا ہے۔ دراصل ملک و قوم کے تحفظ کیلئے بڑی سے بڑی قربانی بھی کم ہے۔ تاجروں نے کہا:۔

"اگر حکومت قیمتوں پر کنٹرول کرنا چاہتی ہو تو ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں"۔

لیکن حکومت نے کہا کہ اس کا کوئی ایسا ارادہ نہیں۔ چنانچہ مثبت رویہ کا جواب مثبت رویہ سے ملا۔ نجی سرمایہ کاری کے اصول پر کارفرما کسی ملک کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی واحد مثال ہے۔

(۲) دوم یہ کہ فیکٹریوں میں جو ملازمین اور مزدور ہیں ان کو پیداوار بچت اور لاگت کے سوال سے قطع نظر مطمئن رکھا جائے۔ ان کو نہ تو برخاست کیا جائے اور نہ انکی تخفیف کی جائے۔ اس کے جواب میں ملازمین کی تنظیموں نے اعلان کیا کہ وہ دن رات کام کرکے پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں گے اور سردست کسی قسم کا مطالبہ نہ کریں گے۔

اس طرح مزدور اور مالکان کے درمیان جو مسائل موجود تھے۔ عارضی طور پر ختم ہو گئے۔ اور بین الاقوامی محنت اور مزدوروں کی تنظیم پر بھی کوئی بوجھ نہ رہا۔

تمام بینکوں نے صنعتی اور تجارتی اداروں کو یقین دلایا کہ وہ ضروری قرضے دیتے رہینگے تاکہ مال کی پیداوار اور آمد و رفت میں کوئی قباحت نہ ہو۔ بعض اشیاء کے لئے اپنی قرضہ کی مد کا خیال کئے بغیر اور برآمدی بونس واؤچر دکھائے بغیر قرضے دینے کا وعدہ کیا۔ درمیانی اور کم سرمایہ رکھنے والے زیادہ سے زیادہ صنعتکاروں کی سہولت کیلئے خاص طور پر بینک (کی قرضہ کی حد) میں کمی کر دی گئی۔ تاکہ وہ مالی مشکلات کے بغیر اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں۔ فیڈریشن کے کہنے پر

ملک کے تمام درآمد کرنے والوں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ اپنے لیٹرس آف کریڈٹ درست کرالیں اور ہندوستانی جہازوں کو استعمال نہ کریں۔ تاکہ انکا مال و اسباب دشمن کے قبضے میں نہ پہنچ سکے۔

## ضابطۂ اخلاق

۱۴ ستمبر کو جبکہ گھمسان کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ فیڈریشن کے صدر اپنے چند رفقاء کے ساتھ اسلام آباد گئے۔ وہاں انہوں نے دشمن کو معاشی محاذ پر نقصان پہنچانے کے سلسلہ میں مرکزی وزارت خزانہ اور وزیر تجارت سے بات کی۔ اسلام آباد سے ان کی واپسی ۱۶ ستمبر کو ہوئی۔

۱۷ ستمبر کو کراچی میں تمام تجارتی اداروں کے سربراہوں کا ایک اور اجلاس بلایا گیا۔ اسی دن صبح انہوں نے بینک کے نمائندوں سے بھی باہمی اطمینان بخش اور کامیاب گفتگو کی۔ چنانچہ سہ پہر کے اجلاس میں انہوں نے نسبتاً پُراعتماد اور پُرعزم طور پر حاضرین سے خطاب کیا۔

ان تمام مجالس سے صاف ظاہر تھا کہ گیارہ دنوں کی جنگ کی وجہ سے تمام تجارتی طبقہ دشمن کو ہر قیمت پر شکست دینے کیلئے تیار ہے۔ ہمارا تجارتی طبقہ اب نسبتاً زیادہ بیدار اور تجربہ کار ہو چکا ہے۔ اور وہ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک سے کسی صورت میں بھی کم پختہ کار نہیں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ :-

"زندگی بذات خود ایک بہت بڑی درس گاہ ہے۔ اور تجربہ بہترین استاد"

فیڈریشن کے صدر ابراہیم جمال نے جنگی ضروریات پوری کرنے کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کا اعلان کرنے پر تاجروں اور صنعت کاروں کو مبارکباد پیش کی - اور انہیں بتایا کہ صدر مملکت ان کے اس طرز عمل سے بڑے متاثر ہوئے ہیں -

۱۲ ستمبر کے اجلاس میں کسی نے جنگ کے دوران تجارتی طبقہ کیلئے ہنگامی ضابطہ اخلاق مرتب کرنے کی تجویز پیش کی تھی - حالانکہ گذشتہ گیارہ روز کی جنگ کے دوران تاجروں نے اپنے اس غیر تحریری حالت میں موجود ضابطہ اخلاق پر پوری طرح عمل کر کے دکھا دیا تھا - اور اس کو الفاظ کی شکل نہیں دی گئی تھی - جب ہی تو لڑائی کے دوران نہ تو کہیں قیمتوں میں اضافہ ہوا - اور نہ اشیاء کی قلت ہی محسوس کی گئی - فیکٹریاں دن رات حتیٰ کہ چھٹی کے دنوں میں بھی برابر کام کرتی رہیں اور ملوں میں سامان کا ڈھیر لگ گیا -

اس کے علاوہ قومی دفاعی فنڈ میں بھی بیشمار تحفے تحائف، عطیات اور چندے دیئے گئے - غرضیکہ ہر صاحب حیثیت تاجر نے جی کھول کر چندہ دیا - صدر پاکستان کی اپیل کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر ۲۵ کروڑ روپے سے زیادہ روپے جمع ہو گئے

## ڈھاکہ میں اجلاس

فیڈریشن کے ارکان کی سہولت اور آسانی کیلئے ملک کے دونوں بازوؤں، (مشرقی و مغربی پاکستان) میں ایک ہی وقت اجلاس بلائے گئے - ۱۴ ستمبر کو جوٹ ملز ایسوسی ایشن ڈھاکہ کے دفتر میں بڑے پیمانہ پر ایک اجلاس ہوا - جس میں مشرقی

پاکستان کی تمام تجارتی و صنعتی انجمنوں نے شرکت کی۔ کل پاکستان ٹیکسٹائل ایسوسی ایشن کے نائب صدر مسٹر نور الہدیٰ نے صدارت کی۔ اس اجلاس میں جو متفقہ قرارداد منظور ہوئی اس میں مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیا گیا۔:-

(۱) ملک کے دفاع اور دشمن کو پاکستانی سرحدوں سے مار بھگانے کیلئے صدر ایوب کی مکمل تائید و حمایت کی جائے۔

(۲) افواج پاکستان کی شجاعت اور فتح و نصرت پر انہیں خراج تحسین پیش کیا جائے۔

(۳) تجارت کو فروغ دینے اور پیداوار بڑھانے کا عزم مصمم کیا جائے

(۴) اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ نہ کرنے کا مصمم ارادہ کیا جائے۔

(۵) مالکان اور مزدوروں کے مابین مکمل اتفاق و یکجہتی برقرار رکھی جائے۔

(۶) قومی دفاعی فنڈ میں زیادہ سے زیادہ چندہ دیا جائے۔

اجلاس میں سترہ ممبروں پر مشتمل ایک نمائندہ کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے سربراہ چٹاگانگ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نائب صدر جناب بدر الاسلام مقرر ہوئے۔ کمیٹی کا کام تھا کہ وہ قرارداد پر عمل درآمد کرائے۔ ملکی دفاع کے سلسلہ میں حکومت سے معاشی امور میں قریبی رابطہ قائم رکھے۔

## چیمبرس اور انجمنیں

فیڈریشن کی قرارداد کو عملی شکل دینے کیلئے سارے ملک میں ۶۲ انجمنوں کے

اسی طرح کے اجلاس بلائے گئے۔ ڈھاکہ ایوانِ صنعت و تجارت کے صدر مسٹر احمد حسین نے اپنے ارکان سے معاشی محاذ پر دشمن کو شکست دینے کیلئے قرضے کی اپیل کی۔ لاہور ایوان کے صدر ڈاکٹر عبدالوحید نے سرحدوں کے تحفظ کیلئے مختلف ذرائع سے کام لینے کا ایک جامع پروگرام پیش کیا۔ پروگرام پر کامیابی سے عمل ہوا۔ پاکستان کیمسٹ اور ڈرگسٹ ایسوسی ایشن نے اپنے ممبروں سے قرآن الحکیم پر ہاتھ رکھوائے کہ وہ ادویات کی وہی قیمتیں رکھیں گے۔ جو کہ لڑائی سے قبل تھیں۔

برآمدات و نمائش کی فیڈریشن نے محاذ پر لڑنے والے فوجی جوانوں کیلئے عطیات جمع کرنے کی پرزور مہم چلائی۔ پاکستان میں فولادی چادریں بنانے کی انجمن نے اعلان کیا کہ وہ لوہے کی قیمتوں میں رتی برابر بھی اضافہ نہ کرے گی۔

"پاکستان ہوزری منوفیکچرز ایسوسی ایشن" نے ملک کے بہادر جوانوں کو پچاس ہزار روپے کی مالیت کا سامان بطور عطیہ پیش کیا۔ مختصر یہ کہ عطیات اور تحفے تحائف دینے کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔

## لاہور اور سیالکوٹ کو سلام

صدر ابراہیم جمال نے لاہور ایوان صنعت و تجارت اور سیالکوٹ کے تاجر پیشہ لوگوں کو حسب ذیل تار دیئے :۔

"ہندوستان کے بزدلانہ حملہ کا منہ توڑ جواب دینے پر ہم آپ کو، اہالیان لاہور اور اپنی بہادر افواج کو سلام کرتے ہیں۔ فتح پر ہماری

دلی مبارک باد قبول ہو۔ ہم آپ کو اور بالخصوص لاہور کے تجارتی طبقہ کو اپنے مکمل اتحاد اور یکجہتی کا یقین دلاتے ہیں۔"

سیالکوٹ کے جراحتی آلوں اور اسپورٹس کے سامان کے تاجروں کی انجمنوں کو بھی اسی مضمون کے تار دیئے گئے۔

جمال صاحب نے صنعتی ترقیاتی بینک آف پاکستان اور پاکستان صنعتی مرکزی اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن کو خط لکھے جس میں اپیل کی گئی کہ لاہور اور سیالکوٹ کی فیکٹریوں کو جو قرضے دیئے گئے تھے ان کی وصولیابی کو ہنگامی حالات کے پیش نظر سر دست ملتوی کر دیا جائے۔

## دوست ملکوں کے تجارتی حلقوں کی تائید و حمایت

جنگ شروع ہوتے ہی پاکستان ایوان صنعت و تجارت کی فیڈریشن نے دوست ممالک کے تجارتی طبقوں کو تار دیئے۔ تاکہ ملکی دفاع اور کشمیری بھائیوں کی آزادی کیلئے ان کی تائید و حمایت حاصل ہو سکے۔

چین، لنکا، انڈونیشیا، سعودی عرب، ایران اور ترکی کی تجارتی انجمنوں نے جواب میں لکھا کہ وہ پاکستان کے تجارتی طبقہ کے ساتھ ہیں۔ اور جموں اور کشمیر کے لوگوں کے حق خود ارادی کی پوری پوری حمایت کرتے ہیں۔ یہی ملک بھارت کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

# قومی پریس اور تاجروں میں باہمی اتفاق

تاجروں کی انجمن نے پاکستان کے تمام تاجروں اور صنعتکاروں کو یہ لکھ بھیجا کہ وہ ملک کے اخبارات و رسائل میں زیادہ سے زیادہ اشتہارات دیں اور اسی طرح ان کی مالی امداد کریں۔ کیونکہ وہ ملک کے دفاع اور لوگوں کا اخلاق اور حوصلہ بڑھانے میں نمایاں کام کر رہے ہیں ۔ کسی ملک کی تاریخ میں اس خلوص کی مثال نہیں ملتی ۔

# اسلحہ کی نجی فیکٹریاں

پاکستان ایوان صنعت و تجارت کے صدر نے ملک میں اسلحہ اور گولہ بارود کی فیکٹریوں کے قیام کے واسطے نجی سرمایہ لگانے کیلئے صدر پاکستان کو ایک خط لکھا۔ انہوں نے لکھا کہ :-

"نجی فیکٹریوں کے قیام سے ملک کی دفاعی طاقت میں بہت اضافہ ہوگا اور اس طرح بھارت کے بد ارادہ اور مستقل جارحانہ حملہ کا مقابلہ کیا جا سکے گا۔"

خط کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے :-

"حکومت کی موجودہ پالیسی کی رو سے اسلحہ اور گولہ بارود کی صنعت قائم کرنے پر صرف حکومت ہی سرمایہ لگا سکتی ہے۔ ہم اس پالیسی میں یہ ترمیم چاہتے ہیں کہ نجی طور پر بھی اسلحہ اور گولہ بارود بنانے کی اجازت دیجائے تاکہ ملک کی دفاعی طاقت میں بھاری اضافہ ہو۔ ہمارا خیال

یہ ہے کہ اگر سرکاری اور نجی دونوں وسائل استعمال کئے جائیں تو ملک بہت جلد اس سلسلہ میں خود کفیل ہو سکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلستان، فرانس، مغربی جرمنی اور امریکہ کے غیر سرکاری اداروں کو اسلحہ اور گولہ بارود بنانے کی اجازت حاصل ہے۔ پاکستان میں نجی سرمایہ کاری جب دوسرے شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کر سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دفاعی صنعت میں پیچھے رہے۔"

## تتمہ

لڑائی چھڑنے کے بعد سے آجتک تاجروں نے ملکی دفاع کیلئے جو مفید کام کئے ہیں اس کا یہ مختصر تجزیہ ہے۔ یہ پاکستان کی اس جواں سال اور باہمت تجارتی طبقہ کی روداد ہے۔ جو کہ حب الوطنی، ایثار اور احساس فرض کے جذبہ سے سرشار ہے۔ جس کا ظاہر و باطن دونوں ایک ہیں۔ اور جس میں ترقی یافتہ ملکوں جیسا تصنع اور بناوٹ نام کو نہیں۔ پاکستان کے بیشتر تاجر اور صنعتکار درمیانہ درجے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے مفادات بھی وہی ہیں جو ہمارے عوام کے ہیں۔ پاکستانی معیشت کو سامراجیت سے چھٹکارا دلانے کیلئے انہوں نے بڑی جدوجہد کی ہے۔ اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ ان کی یہ جدوجہد مصمم ارادوں کے ساتھ اب بھی جاری ہے۔ زراعت میں وہ صدیوں پرانے جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنے میں حکومت کے ساتھ ہیں۔ زراعت کو نئے ڈھنگ سے چلانے کیلئے انہوں نے حکومت کو مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ زراعت بھی نئے تجارتی اور صنعتی انداز پہ ہو سکتی ہے۔ وہ ملک میں لوہے، کان کنی، کیمیکل اور انجینئری کی صنعتیں

دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ تاکہ ہمارا ملک مشینری، سخت دھاتوں اور اوزاروں وغیرہ میں خود کفیل ہو سکے۔ ان کے خیال سے یہ ایک آزاد، مضبوط اور ترقی پذیر قومی معیشت کیلئے ازحد ضروری ہے۔

باوجود افسر شاہی کے جو انگریزوں کے زمانہ کی یاد دلاتی ہے انہیں اپنے اندازوں سے زیادہ کامیابی نصیب ہوئی۔ تیسرے پنج سالہ منصوبے (۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۰ء) کیلئے بھی انہوں نے کمر ہمت باندھ لی ہے، چاہے امریکی امداد ملے یا نہ ملے۔

پاکستان کے تاجروں اور صنعت کاروں نے عوام ہی کے درمیان نشوونما پائی ہے اور ترقی کی ہے۔ وہ عوام کا جزو لاینفک ہیں۔ جنگ ہو یا امن انہوں نے ملک کی بہتر سے بہتر خدمت کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

پاکستان پائندہ باد!

# دو شہر، ایک داستان

سیالکوٹ اور لاہور

جنہوں نے بھارتی فوج کے فتح کے

خواب شکست میں تبدیل کر دیئے

شوکت صدیقی

# سیالکوٹ

سیالکوٹ
خضرِ راہ کا دھڑکتا دل
شیخ عصر، مردِ راہ داں
پاک سرزمیں کے کلیم کا کبھی نہ بجھنے والا دل
ایک مشعل فروزاں سا
بھڑکتا، جگمگاتا دل

ہزار بستیاں بسیں
ہزار بستیاں مٹیں
مگر ہزار سال سے میں زندہ ہوں
مرادِ پیر کے شہید خون کی قسم میں زندہ ہوں۔
ہزار سال سے بلند
سیالکوٹ کی فصیل
آج بھی بلند ہے

سیالکوٹ اور لاہور برصغیر کے دو عظیم شہر ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں پُرعظمت رہے۔ ان شہروں نے عزم و شجاعت کی ایسی داستانوں کو جنم دیا جن پر تاریخ فخر کرتی رہے گی۔

سیالکوٹ اپنے دامن میں چار ہزار سال پرانی تاریخ لئے ہے اور یہ چار ہزار سالہ دور حرب و ضرب کی بے شمار داستانوں سے مزیّن ہے۔ یہاں ہوس و اقتدار کی جنگیں بھی لڑی گئیں، معرکہ ہائے حق و باطل بھی ہوئے۔ اور آزادی کے علمبرداروں نے اپنی جانیں آزادی کی قربان گاہ پر نچھاور کیں۔ یہ شہر دو سال تک برصغیر میں محمود غزنوی کے مقبوضات کا دارالحکومت بھی رہ چکا ہے۔ اور یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہمراہ اپنے دورانِ قیام سولہ سو کفار کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔

مغلوں کے دور طوایف الملوکی میں یہ شہر سکھوں کے قبضے میں آ گیا۔ یہ ۱۸۴۹ء کا زمانہ تھا جب انگریزوں کے ہاتھوں سکھوں کے دور حکومت کا خاتمہ ہُوا تو سیالکوٹ پر پرچم افرنگ لہرانے لگا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے آزادی کا متوالا یہ شہر ہمیشہ جدوجہد آزادی میں پیش پیش رہا۔ اس کے جیالے سپوت ہر دور میں آزادی کے علمبردار رہے، اسے یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور مولانا ظفر علی خاں ایسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی شمع روشن کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

اور اپنے فکر و عمل سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جدوجہد آزادی کے لئے کوشاں رہے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ عظیم مملکت عالم وجود میں آئی جو علامہ اقبالؒ کے خواب کی تعبیر ہے۔ دس کروڑ مسلمانوں کا وطن عزیز۔ پاکستان۔

آج ۱۸ سال بعد، ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کی بزدل فوجوں نے حکیم الامت کے وطن مولود پر چوروں کی طرح حملہ کر دیا۔ اور اس طرح وقت نے اس اولوالعزم اور جہادری کے لازوال خزانوں سے معمور شہر کو پھر ایک بار آزمائش میں ڈال دیا۔ مگر یہ نہ صرف آزمائش میں پورا اُترا بلکہ اس کی سرزمین پر ایک ایسی ہیبت ناک جنگ لڑی گئی جس میں اس کے جیالے جوانوں نے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہو کر ایک غیر فانی کردار ادا کیا۔ بھارتی فوجوں کے عیاش افسروں نے لاہور جیم خانہ میں چھوٹا پیگ لگانے کی حسرتِ ناکام کے بعد سیالکوٹ پر قسمت آزمائی کی۔ جس سے یہاں کے تیس میل لمبے محاذ پر تاریخ کی ایک عظیم جنگ کا آغاز ہوا جو، ا دن تک جاری رہی۔ طاقت کے نشے میں چور بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل چودھری نے کثیر تعداد میں اپنے ٹینک اس محاذ پر جمع کر دیئے اور اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ سیالکوٹ پر قبضہ کر لیں۔ گویا یہ شہر اُن کے لئے چشم براہ تھا۔ کہ وہ آئیں، دیکھیں اور فتح کر لیں۔ بزدل قوم کی بزدل فوج نے ہر جگہ اپنی عیاری اور مکاری کا مظاہرہ کیا، رات کے اندھیرے میں پُرامن شہری آبادی پر بم برسا کر اپنی شکست کا انتقام لینے کی کوشش کی۔ اس کے سینکڑوں ٹینک، لاتعداد توپیں، ہزاروں بکتر بند گاڑیاں اور کثیر تعداد میں بھارتی سورما اس جنگ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ باوجودیکہ دونوں فوجوں میں

تعداد اور آلات حرب کا بڑا فرق تھا لیکن پاکستان کے جیالے مجاہدوں نے بھارتی فوج پر کاری ضرب لگا کر اس کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

۸ ستمبر سے پہلے چونڈا کی حیثیت معمولی قصبہ سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس جنگ میں اسے ایسی عالمگیر شہرت حاصل ہوئی کہ مستقبل میں جب بھی عظیم ترین جنگوں کا تذکرہ ہوگا، چونڈا کا نام اس میں نمایاں ہوگا۔

۸ ستمبر سے ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء تک اس پاکستانی قصبے کے گرد و نواح میں ٹینکوں کی سب سے بڑی اور خوفناک جنگ لڑی گئی۔ پوری دنیا کی نظریں اس جنگ پر مرکوز رہیں اور اس نے دیکھ لیا کہ پاکستان کی افواج کے بہادر جوانوں نے کیسے قدم قدم پر دشمن کا منہ پھیر دیا۔ بھارت بے حد و حساب فوج اور دیو پیکر ٹینکوں کے ساتھ ایک طویل مدت کی تیاری اور منصوبہ بندی کے بعد میدان میں آیا تھا۔ دوسری جانب مٹھی بھر جانبازوں کی ایک جماعت تھی جس کی حربی طاقت کسی صورت میں بھی ایک عظیم جنگ کے لئے کافی نہ تھی۔ لیکن اس جماعت کے سامنے ایک عظیم مقصد تھا۔ وطن کی آن پر کٹ مرنے کی تمنا۔ اس کے سامنے مادر وطن کے ناموس کا تحفظ تھا۔ وہ اپنے وطن کی عظمت کے لئے دشمن سے ٹکرانے والے جانباز تھے۔ دشمن کے چھ سو ٹینک ایک سیاہ اور گمبھیر بادل کی مانند آگ اور پگھلا ہوا لوہا اگلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ توپیں، مشین گنیں، رائفلیں آگ اگل رہی تھیں۔ فضا سے بھی آگ کی بارش ہو رہی تھی۔ فصلیں، درخت، عمارتیں اور جنگی سامان ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا رہا۔ وقت کا دھارا اس تمام ہنگامے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اور جب ۲۳ ستمبر کی صبح جنگ کی آگ

سرد ہوئی تو ایک عظیم کارنامہ رونما ہو چکا تھا۔ دنیا کی خونی تاریخ میں ایک نہایت روشن باب، کا اضافہ ہو چکا تھا۔ جسے ایک زندہ قوم نے اپنے خون سے تحریر کیا تھا۔

چونڈا سیالکوٹ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک کچی سڑک اسے پسرور اور ڈسکہ سے ملاتی ہے۔ دوسری طرف یہ ظفروال، سیالکوٹ اور جموں سے ملتا ہے۔ فوجی نقطۂ نظر سے اس کا محل وقوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ گردونواح میں کوئی دریا، نہر یا ناہموار جگہ نہیں۔ سارا علاقہ ہموار اور کھلا ہوا ہے۔ اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے دشمن نے چونڈا ہی کو میدان کارزار بنانے کا فیصلہ کیا۔ چالیس میل لمبا اور بیس میل چوڑا ہموار میدان ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ ٹینکوں کی نقل و حرکت کے لئے انتہائی موزوں ہے۔ اس کے علاوہ دشمن نے اپنے علاقے تک پکی سڑکیں تعمیر کر لی تھیں۔ تاکہ اس بزدلانہ منصوبے پر عملدرآمد کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ جہاں ٹینکوں کی رفتار انتہائی تیز ہو اور سپلائی لائن اچھی طرح قائم رہ سکے۔ برسات کا موسم خشک ہونے کے سبب اس بات کا بھی امکان نہ تھا کہ بارش کا پانی ٹینکوں کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کرے گا۔

فوجی اعتبار سے بھارتی حملے کی یہ اسکیم ہر لحاظ سے مکمل معلوم ہوتی ہے۔ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ چونڈا کے راستے پسرور، ڈسکہ اور گوجرانوالہ کو فتح کر کے جرنیلی سڑک کاٹ کر لاہور کی جانب پیش قدمی کی جائے۔ اگر سیالکوٹ کی جانب سے کوئی مزاحمت ہو تو اسے بھی صاف کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ چونڈا کی

طرف سے حملہ آور فوج کے پاس صرف چار روز کا راشن تھا۔ دشمن کو یقین تھا کہ پاکستان کی جانب سے سخت مزاحمت کے باوجود اس کی فوجیں چار دن میں لاہور والی فوجوں سے جا ملیں گی۔ لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہُوا۔

اس عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دشمن کو اپنی بہترین فوجی قوت پر بڑا فخر تھا۔ اس غیر معمولی حملے کے لئے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن جو "فخرِ ہند" کہلاتا تھا، جھانسی سے لایا گیا تھا۔ اس ڈویژن کے دیو پیکر اور خوفناک ٹینک "سیاہ ہاتھی" کہلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک نہایت عمدہ توپ خانہ ڈویژن اور دو پیدل ڈویژن بھی اس حملے کے لئے تیار کئے گئے۔ دشمن اس غلط فہمی میں تھا کہ جب اس کی یہ فوجی قوت اس کی فضائیہ کے سایہ میں آگے بڑھے گی۔ تو کسی قسم کی مزاحمت اس کا راستہ نہ روک سکے گی۔ اور طویل و عریض محاذ پر پھیلی ہوئی پاکستان کی چھوٹی سی فوج موثر مدافعت نہ کرے گی۔ لیکن ہماری بہادر فوج سے "فخرِ ہند" ڈویژن کا وہ حشر ہُوا کہ یہ مسخ ہو کر ہمارے مزاح نگار کالم نویسوں کے لئے سامانِ تضحیک بن گیا۔

بھارت کی عظیم جنگی قوت کے مقابلے میں پاکستان کی فوج بہت کم ہے۔ اور اس فوج کے ذمہ ملک کے دونوں صوبوں کا دفاع ہے جو ایک دوسرے سے ایک ہزار میل دور ہیں۔ بھارتی حملے کے منصوبے میں مشرقی پاکستان پر حملہ بھی شامل تھا۔ لیکن مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھارتی فوجوں کی مسلسل ناکامی کے باعث یہ منصوبہ ملتوی کر دیا گیا۔ اور بھارت نے اپنی پوری فوجی قوت مغربی پاکستان کے محاذ پر جھونک دی۔ اعداد و شمار کے اعتبار سے مغربی پاکستان کے

خاذ پر ایک پاکستانی جانباز کے مقابلے میں چھ سات بھارتی سپاہی تھے۔ سامانِ جنگ کا تناسب اس سے کہیں زیادہ تھا۔ بھارتی فضائیہ بھی پاکستان فضائیہ سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن اس بھرپور حملے کے باوجود بھارتی فوجوں کو پسپا ہی ہونا پڑا۔

بھارتی فوجوں نے ۷ اور ۸ ستمبر کی درمیانی رات کو جموں اور سچیت گڑھ کی جانب سے تیس میل کے علاقے میں آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس حملے میں فرسٹ آرمرڈ ڈویژن اور توپ خانہ شامل تھا جو آٹھ سے دس میل تک کے علاقے میں آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے دونوں جانب دوسری فوجیں کئی میل کے علاقے پر حملہ آور ہوئیں۔ رات کے دس بجے پاکستان کے کئی قصبات اور مواضعات پر آتش باری ہونے لگی۔ چونڈا پر ڈیڑھ سو ٹینکوں اور ایک پہاڑی ڈویژن نے حملہ کیا۔ ایک ٹینک، سینکڑوں بکتر بند گاڑیاں اور بہت سی پیدل فوج کمک کے طور پر ذرا پیچھے رک گئی۔ بھارت کی اس حملہ آور فوج میں جنرل چودھری کی رجمنٹ سولھویں کیولری، سترھواں پونا ہارس، باسٹھویں کیولری اور دوسرے لانسرز کی دو رجمنٹیں شامل تھیں۔ یہ فوج بھارت کی اعلیٰ تربیت یافتہ اور اعلیٰ جنگی ساز و سامان سے لیس تھی۔ سترہ روزہ جنگ میں کئی مقامات پر محاذ کھلے۔ خصوصاً ظفروال، چونڈا اور سیالکوٹ کے محاذوں پر زبردست معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن چونڈا کا معرکہ بڑا خوفناک اور طویل تھا۔

۸ ستمبر کو چونڈا کا میدان محاذ جنگ بنا۔ بھارتی فوجوں نے رات کے دس بجے توپوں کے دہانے کھول دیئے۔ اور بھاری توپیں مسلسل آٹھ گھنٹے تک آگ برساتی رہیں۔ اور اس گولہ باری کے سائے میں ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور ایک ڈویژن پیدل فوج آگے بڑھی۔ اس کی پہلی منزل چونڈا تھی۔ حملہ آور فوج

کے لئے چونڈا پسرور روڈ کے پانچویں میل تک پہنچنا ضروری تھا۔ ادھر پاکستانی جانباز بھی غافل نہ تھے۔ جس وقت بھارتی فوج، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور پیدل فوج چونڈا کے میدان میں داخل ہو رہے تھے۔ پاکستان کی ایک کمپنی نے دشمن کے عقب میں پہنچ کر اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سامنے سے جوابی حملہ کیا گیا۔ اور حملہ بھی ایسا کہ ہر گولی اپنا کام کرنے کے بعد ہی ٹھنڈی ہوتی تھی۔ عقب میں پہنچنے والی کمپنی نے ان توپوں کے پرخچے اڑا دیئے جو پاکستانی فوجوں پر گولہ باری کے لئے نصب کی جا رہی تھیں۔ آگے بڑھنے والی گولہ بارود سے بھری ہوئی گاڑیاں اڑا دیں۔ اس ذرا سی کارروائی سے دشمن بوکھلا اٹھا۔ اس کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سپلائی لائن درہم برہم ہو گئی۔

عقب میں جانے والی کمپنی اپنا کام ختم کر کے واپس چلی گئی۔ اس کمپنی کا صرف ایک افسر زخمی ہوا تھا۔ دشمن کی اگلی صفوں سے زبردست گولہ باری ہوتی رہی لیکن پاکستانی جوان ان کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ ان کی تعداد کم تھی اور یہ کمی انہوں نے اپنے یونٹوں کی تیز تر نقل و حرکت سے پوری کی۔ وہ بار بار اپنی پوزیشن بدل کر دشمن پر ایسی کاری ضربیں لگاتے کہ اس کی پیش قدمی کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ اس مختصر جنگ میں پاکستانی جانبازوں کو دشمن کی طاقت اور پوزیشن کا علم ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے اپنے پچھلے مورچے مضبوط کر لئے تھے۔ چنانچہ دوسری صبح دشمن پر جوابی حملہ کیا گیا اور اس کو پانچ میل پیچھے دھکیل دیا گیا۔ بھارتی پسپائی کے دوران بے شمار لاشیں اور زخمی میدان میں چھوڑ گئے۔

۹ ستمبر کو دشمن نے محفوظ دستوں اور تازہ کمک کے ہمراہ ایک زبردست حملہ

کیا۔ اس حملے میں بھارتی فضائیہ بھی اپنی بری فوج کا ساتھ دے رہی تھی۔ جنرل چودھری کی سولھویں کیولری رجمنٹ جو بھارت کی مضبوط ترین رجمنٹ تھی، استعمال کی گئی۔ پاکستانی فوج نے اپنے دفاعی مورچوں میں تبدیلی کر کے کچھ اس طرح جوابی حملہ کیا کہ دشمن کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اس معرکہ میں پاکستانی فضائیہ نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ دو روز تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ ۱۰ ستمبر کو دشمن نے ذرا سنبھل کر بھرپور حملہ کیا۔ لیکن اس حملہ کا بھی پہلے جیسا حشر ہوا۔ ۱۶ کیولری رجمنٹ کا بالکل صفایا ہو گیا۔ دشمن نے جھنجھلا کر سیالکوٹ کی شہری آبادی پر بمباری کی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اس علاقے میں بھگدڑ مچ جائے گی۔ لیکن شہریوں نے دشمن کے ہر وار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور اس کی یہ چال بھی ناکام ہو گئی۔ دشمن کی پانچ بڑی توپیں پاکستانی فوج کے قبضے میں آگئیں۔ اور اس کے مزید بیالیس ٹینک تباہ ہو گئے۔ اسلحہ سے بھری ہوئی بے شمار گاڑیاں تباہ ہو گئیں یا پاکستان کے قبضے میں آگئیں۔

بھارتی فوجیں تازہ کمک کے ساتھ بار بار حملہ آور ہوتیں اور ہر بار ان کو پسپا کر دیا جاتا۔ اس طرح یہ جنگ ایک شدید اور طویل معرکے میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ محاذ جنگ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ کئی اطراف سے دشمن کا دباؤ بڑھا لیکن ہر جگہ اسے ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ افواج پاکستان نے ان دو تین روز میں ایسی دلیری اور مہارت کا مظاہرہ کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

۱۸ اور ۱۹ ستمبر کی رات دشمن نے بے شمار ٹینکوں، ایک پیدل بریگیڈ، دو کیولری رجمنٹوں اور ایک بھاری توپ خانے کے ساتھ زبردست حملہ کیا۔ بھارتی فضائیہ

بھی اپنی بری فوج کی پوری مدد کر رہی تھی۔ یہ حملہ تین اطراف سے کیا گیا تھا۔ شدید گولہ باری کے بعد ٹینک آگے بڑھے اور ٹینکوں کی شدید ترین اور خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ اس روز دونوں طرف سے چھ سو ٹینک لڑائی میں حصہ لے رہے تھے اور یہ جنگ دنیا بھر میں دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ تھی۔ فضا میں پگھلا ہؤا لوہا اور آگ اُڑ رہی تھی۔ توپوں کی گھن گرج سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کئی آتش فشاں ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں۔ لیکن بھارت کا یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ اور جب بھارتی فوجیں پسپا ہوئیں تو چونڈا کا میدان صحیح معنوں میں بھارتی ٹینکوں۔ بکتر بند گاڑیوں۔ سامان حرب اور فوجیوں کے قبرستان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک دن میں دشمن کے مزید چالیس ہیبت ناک ٹینک ٹکڑے ہو کر بکھر چکے تھے۔ ۲۰ ستمبر کو دشمن کے ٹینکوں کے ڈھانچوں اور دوسرے سازوسامان پر پاکستانی افواج نے قبضہ کر لیا۔ ایک سو نو افسر اور جوان گرفتار کر لیے گئے۔ دشمن کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے بعد دشمن نے سرسری طور پر جنگی کارروائی جاری رکھی اور جب فائر بندی ہوئی تو آٹھ روز تک دشمن مسلسل اپنے مُردہ فوجیوں کی لاشیں اٹھاتا رہا۔

معرکہ سیالکوٹ میں ہماری افواج نے دشمن کے مقابلے میں کم ہوتے ہوئے بھی جو معرکے سر کئے ہیں وہ تا ابد دنیا کو یاد رہیں گے۔ اور دشمن کی آئندہ نسلیں بھی اس شکست فاش کو فراموش نہ کر سکیں گی۔

چونڈہ اور پسرور میں موت و زیست کی اس عظیم جنگ کے بعد بھی عوام کے حوصلے بے انتہا بلند تھے۔ وہ بغیر کسی خوف اور ڈر کے اپنے اپنے کاروبار میں

پورے انہماک سے معروف تھے۔ اور دشمن کے کسی وقت بھی دوبارہ حملے کا پوری شدت سے منہ توڑ جواب دینے کے لئے تیار تھے۔

سیالکوٹ کے محاذ پر لڑی جانے والی یہ جنگ پاکستان کی بہادر فوج کی بے مثال صلاحیتوں اور سرفروشانہ کارکردگی کے ساتھ ساتھ سرحدی علاقے کے ان پاکستانی شہریوں کی بھی تو داستان شجاعت ہے جنہوں نے اس معرکہ حق و باطل میں نہ صرف اپنے حوصلے بلند رکھے بلکہ اپنے کسی فعل سے دشمن کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکے۔ انہوں نے انتہائی بے جگری اور جرأت کے ساتھ دشمن کی نازل کی ہوئی تباہی اور بربادی کا مقابلہ کیا اور گولوں اور بموں کے دھماکوں میں بھی مسکراتے رہے اور اپنی بہادر فوج کے جوانوں کو حتی الوسع مدد بھی پہنچاتے رہے۔

سیالکوٹ، بھارت کی فوجی یلغار کے مقابلے میں ایک ایسی مضبوط چٹان ثابت ہوا جس سے ٹکرا کر اس کی فوجی قوت پاش پاش ہو گئی۔ سیالکوٹ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ تعداد کے لحاظ سے بڑی سے بڑی طاقت کو صرف عزم و استقلال اور اعلیٰ صلاحیت سے شکست دی جا سکتی ہے۔ سیالکوٹ بھارت کے فوجی غرور کے مدفن کی حیثیت سے تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

سیالکوٹ جہاں دشمن نے شہری آبادی پر وحشیانہ بمباری کر کے قیامت کا سماں پیدا کر دیا۔ لیکن عوام میں زندگی پورے جوش و خروش سے موجزن تھی۔ مجاہدین خاکی اور کالی وردیوں میں ملبوس دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے محاذ جنگ کی جانب رواں دواں ہوتے تو لوگ سڑک کے کنارے دودھ اور شربت کے گلاس ہاتھوں میں لئے ان کا انتظار کرتے رہ جاتے۔ توپوں کی گھن گرج

کے درمیان سیالکوٹ کے مضافات تک میں زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرگرم کار رہتی۔ حقہ پیتے ہوئے دیہاتیوں کی ٹولیاں گھنے درختوں کے سایوں میں خوش گپیوں میں مصروف رہتیں۔ شہر میں روزمرہ کے کاروبار بغیر کسی رکاوٹ کے برابر جاری تھے۔ کوچہ و بازار کی گہما گہمی اپنے معمول پر رہتی اور خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہتا۔ بھارتی بمباری سے گھبرانے کے بجائے لوگ تباہ شدہ علاقوں کا ملبہ ہٹانے اور شکستہ مکانوں کو از سر نو تعمیر کرنے میں مصروف رہتے۔

سیالکوٹ کے ٹرنک بازار سے لے کر چونڈا، ظفر وال، ڈڈریانہ، بھیلا تک پھیلا ہوا یہ وسیع علاقہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ دشمن نے جب بھی اس سرزمین پر اپنے ناپاک قدم رکھے اس کا حشر عبرت ناک ہوگا۔ جس کا ثبوت جگہ جگہ بکھرے ہوئے بھارتی ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور دوسرے اسلحہ کے وہ ٹکڑے ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ہمارے جانبازجنہوں نے اپنی مقدس سرزمین پر دشمن کو ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ آج بھی سیالکوٹ کے محاذ پر چوکس اور سینہ سپر ہیں۔ سیالکوٹ کے شہیدوں اور غازیوں کی شجاعت کی داستانیں صدیوں تک زندہ رہیں گی۔

صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے سیالکوٹ کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"سیالکوٹ میں ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ
دنیا کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ اس سے دشمن کی
طاقت بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی۔"

آنے والے زمانے میں جب کبھی اس جنگ کی تاریخ لکھی جائے گی۔ تو معرکہ سیالکوٹ کو جلی اور سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ جس سے آئندہ نسلیں فن جنگ اور شجاعت کا درس لیں گی۔ اس محاذ پر ہمارے جوانوں نے جنگی صلاحیتوں کا جو مظاہرہ کیا ہے قوم اس پر ہمیشہ نازاں رہے گی۔

# لاہور

اے لاوہور ویحک بے من چگونۂ　　　بے آفتابِ تاباں روشن چگونۂ ؟

مسعود سعد سلمان

عہدِ غزنوی　　۱۰۴۰ء تا ۱۱۲۱ء

لاہور کی سرزمین پر ہر دور میں معرکوں نے جنم لیا۔ طوفان آتے رہے اور اس چٹان سے ٹکراتے رہے۔ طوفان فنا ہوتے رہے لیکن اس چٹان کا کچھ نہ بگڑا۔ اس کی تاریخ عزم، استقلال، جرأت و جوانمردی اور شجاعت کی داستان ہے۔ ہر دور میں منفرد۔ قدیم سا قدیم شہروں کا شہر، تاریخی۔ بے شمار آتی جاتی قافلہ در قافلہ قوموں گوناگوں تہذیبوں کا شہر، روایات کا شہر، تازہ بہ تازہ نو بہ نو تحریکات کا شہر، زندہ دلان پنجاب کا شہر اور سب سے بڑھ کر وہ شہر جس نے تحریک پاکستان کی جد و جہد میں اس قدر نمایاں حصہ لیا۔

آج استقلال پاکستان کے اٹھارہ سال بعد جب لاہور کے در و دیوار سے پھر ایک زبردست طوفان ٹکرایا۔ شمال کی طرف سے نہیں جہاں سے رہوار وحشت پر سوار ہو کر آنے والے عموماً آیا کرتے تھے۔ بلکہ جنوب کی طرف سے جو ہمیشہ ان حملہ آوروں کا تختۂ مشق رہا ہے۔ تو لاہور نے پھر اپنی عظمت پہ آنچ نہ آنے دی۔ اس کے جری سپوت اس کی عظمت پر مر مٹے، اس کی آن پہ قربان ہو گئے، وہ اس کے گرد آہنی دیوار بن گئے، تاکہ ان کا محبوب شہر مسکراتا رہے، تاکہ لاہور سر بلند رہے، لاہور زندہ و پایندہ رہے۔ اُن سبک سر حملہ آوروں پر خندہ زن جو عیش و عشرت کے رنگین خواب دیکھتے ہوئے آخر شب کے دھندلکے میں اس دیار عظیم کی طرف بڑھے۔

لاہور پر قابض ہونے کا یہ خواب بھارت اٹھارہ سال سے دیکھ رہا تھا۔ اگر برطانوی سازش کامیاب ہو جاتی تو تقسیم کے وقت شاید لاہور بھارت میں شامل ہو جاتا۔ اس پر قبضہ کرنے کا بھارتی منصوبہ مدتوں بنتا رہا اور جب وہ مکمل ہو گیا تو بھارت نے دلیرانہ نہیں بلکہ بزدلوں کی طرح لاہور پر رات کے پردے میں حملہ کر دیا۔ اس کی عیاری و بزدلی اور پاکستان کی پامردی اور جرأت و ہمت میں ایک ایسا نمایاں فرق ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ تاریخ نے اپنے آپ کو ایک بار پھر دُہرایا۔ ایک طرف پیل پیکر بھارت کی وسیع و عریض سرزمین کا جم غفیر اور بے حد و اندازہ ملکی و غیر ملکی سازو سامان تھا جس پر اسے ہر تاریخی یدھ۔ دبیل، سومنات اور سب سے بڑھ کر پانی پت۔ کے تین فیصلہ کن محاذوں پر ناز رہا ہے۔ پھر بھی اس کی کم از کم ایک بار جیت جانے کی تمنّا دل کی دل ہی میں رہی اور اس کے برسوں کے منصوبے، ارادے اور خواب خاک میں مل کر رہ گئے۔ اس لئے کہ اس کا اقدام ایک بہادر حملہ آور کا دلیرانہ اقدام نہ تھا۔ بلکہ وہ ہمارے ایک شاعر کے الفاظ میں "زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں" کا مصداق تھا۔ اور اس شب اس کا ورود دزدانہ ورود تھا۔

۶ ستمبر کو بھارت کی ٹڈی دل فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر لاہور پر تین اطراف سے حملہ آور ہوئیں۔ اور اس طرح انہوں نے بین الاقوامی آداب، انسانیت اور شرافت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور ساری دنیا پر عیاں کر دیا کہ اس ذلیل قوم میں تہذیب و شائستگی کا دور دور تک کوئی نشان نہیں۔

فوج کی کثرت اور جدید ترین اسلحہ کی بہتات پر دشمن اس قدر تیقن سے

حملہ آور ہوا کہ پاکستانی فوجیں ان کے حملے کی تاب نہ لا سکیں گی اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر لاہور ان کے قدموں میں پڑا ہوگا۔ یہی خوش فہمی تھی جس کی بنا پر جنرل چودھری نے اپنے افسروں سے لاہور جیم خانہ میں بہ صد طمطراق "جشنِ فتح" منانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن واقعات نے ظاہر کر دیا کہ یہ تقریب کبھی منعقد نہ ہوئی اور بھارتی فوجوں کو وہسکی کی بجائے خون کے گھونٹ پینے پڑے!

بھارت کی بزدل فوجیں ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر جس عیاری اور مکاری سے اچانک لاہور پر حملہ آور ہوئیں، ان کے پیشِ نظر بھارتی جنگی ناخداؤں کی یہ خوش فہمی بے بنیاد نہ تھی لیکن ہندوستان کے جنگی نیتا پاکستان کی مقدس سرحدوں پر حملہ آور ہونے سے قبل اس حقیقت کو شاید بھول گئے تھے کہ انہوں نے ایک ایسی قوم کو للکارا ہے جس کی ساڑھے تیرہ سو سالہ تاریخ شجاعت و جوانمردی کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور جو آٹھ سو سال تک خود ان پر حکمران رہ چکی ہے۔ پہاڑوں سے ٹکرانا اور سمندروں میں گھوڑے ڈال دینا جس کی روایات رہی ہیں۔ جس کے مجاہد حق و صداقت کے لئے آگ اور خون کے دریاؤں میں کود پڑتے ہیں۔ بھارت کی ٹڈی دل افواج ایشیا کے اس عظیم شہر پر حملہ آور ہوئیں تو نہ صرف سرحدوں کے محافظ جیالے جوانوں نے دشمن کو للکار کر اس کو تہس نہس کر دیا بلکہ پاکستان کے بازوئے شمشیر زن، لاہور کے نڈر اور جری باشندے اس کے مقابلے میں فولادی دیوار بن گئے۔ اور اس پر ایسی زبردست ضربیں لگائیں کہ لاہور کے نام ہی سے دشمن کے حواس باختہ ہونے لگے۔

ایک طرف جدید اسلحہ سے لیس دشمن کی ٹڈی دل فوجیں تھیں اور دوسری طرف مٹھی بھر جانباز تھے جو وطن کی عظمت و حرمت پر اپنی جانیں نثار کرنے کو تیار بیٹھے تھے۔ جذبۂ حب الوطنی اور جوش جہاد اُن کے رگ و پے میں سرایت تھا۔ وطن کے ان جاں نثاروں نے کچھ اس انداز سے بازوئے حیدری کے جوہر دکھائے کہ عظمت رفتہ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ جس وقت لاہور پر حملہ ہُوا۔ تو بیرون لاہور کوئی نہیں جانتا تھا کہ لاہور میں معرکۂ حق و باطل کا آغاز ہو چکا ہے دن کے گیارہ بجے اچانک ہوا کے دوش پر ایک گرجدار آواز گونجی:

"ہندوستان نے اپنی روایتی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اعلان جنگ کے بغیر پاکستان کی مقدس سرزمین پر جو حملہ کیا ہے اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم ان کے حملے کا ایسا منہ توڑ جواب دیں کہ ہندوستانی حکمرانوں کے ناپاک سامراجی عزائم کا خاتمہ ہو جائے۔ ہندوستان کے جنونی جنگی لیڈروں کو شاید اس بات کا احساس نہیں کہ انہوں نے کس قوم کو مقابلے کے لئے للکارا ہے۔ تاریخ میں لاہور کے دلیروں کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا..... ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ دشمن کی توپیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش نہ کر دی جائیں "

یہ ملک کے سربراہ فیلڈ مارشل خان محمد ایوب خاں کے تاریخی الفاظ تھے۔ اور اس مجاہدانہ اعلان کے ساتھ ہی قوم میں نئے ولولے، ایک عزم تازہ اور بھرپور

حوصلے نے جنم لیا۔

پاکستان کی بری اور فضائی فوجوں کے جری جوان دشمن پر بھوکے شیروں اور عقابوں کی مانند ٹوٹ پڑے۔ ہر مورچہ پر گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ پاکستانی جوانوں کے زبردست حملوں، بہادری اور جرأت وہمت کی تاب نہ لاکر بھارت کے بزدل سورما تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ جو رات کے اندھیروں میں چوروں کی طرح پاکستان کی مقدس سرحدوں میں گھس آئے تھے، پیچھے دھکیل دیئے گئے۔ ان کی پیشانیوں پر ذلت آمیز شکست کے بدنما داغ لگ گئے انہیں مفلوج کر دیا گیا۔ ان کی عددی برتری اور اعلیٰ اسلحہ کسی کام نہ آسکا۔ ہمارے مجاہدین صف شکن نے ان پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ وہ اپنا اسلحہ بھی چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ افراتفری کے عالم میں اپنا ذاتی سامان بھی چھوڑ گئے۔ جس میں ان کی اہم ڈائریاں بھی شامل تھیں۔ اس معرکے کا سب سے حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعہ یہ ہے کہ ابتدا میں حملہ آوروں کی لاتعداد فوج۔ اور پورے تین بہترین ڈویژن بے حد سامان حرب کے ساتھ مقابلہ میں آئے جسے اپنے تاریخی پیشرو راجوں مہاراجوں کی طرح انہوں نے بھارت کے گوشے گوشے سے فراہم کر کے لاہور کے مختصر محاذ پر لا ڈالا تھا۔ ہمارے یہاں صرف تین محاذوں پر بٹے ہوئے کل ایک ایک سو مسلح رینجرز یعنی معمولی ہتھیاروں سے مسلح پولیس کے سپاہی تھے۔ جن کے پاس چند ہی راؤنڈ کی گولیاں تھیں۔ اس کے باوجود وہ اس بہادری، ہوشیاری اور خوش تدبیری سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور لاہور سے اس قدر قریب ہونے کے باوجود وہ اس کی طرف فی الحقیقت ایک انچ بھی نہ بڑھ سکا بلکہ

اسے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کھیم کرن تک کا اہم مقام بھی چھوڑ دینا پڑا۔

پہلے دن کی جنگ میں ہندوستان کے تقریباً آٹھ سو سپاہی ہلاک ہوئے اور بے شمار فوجی گاڑیاں، اسلحہ اور ٹینک تباہ و برباد ہو گئے۔ وطن کے جیالے محافظوں نے دشمن کی صفوں پر ایسی بے پناہ آگ برسائی کہ ان میں بھگدڑ مچ گئی اور کاہم ثقی سرابیل القطران کی یاد تازہ ہو گئی —— یعنی ان کو آگ کے کپڑے پہنا دیئے گئے ہوں۔

اپنی بری فوجوں کو تباہی سے بچانے اور اہل لاہور کے حوصلے پست کرنے کی نیت سے بھارتی فضائیہ بھی حرکت میں آگئی۔ بھارتی ہوابازوں نے ماڈل ٹاؤن، جلو اور باٹا پور کو اپنی وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنایا۔ انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے مدمقابل پاکستانی لڑاکا جہازوں کا مقابلہ کرتے۔ بھارتی فضائیہ کی بربریت کے مظاہرے کو دیکھتے ہی پاکستانی فضائیہ کے شاہین بھی میدان میں آ گئے۔ انہوں نے جونہی بزدل بھارتی ہوابازوں کو للکارا وہ بھی اپنی بری فوج کی طرح بھاگنے لگے۔ سارا دن انہیں لاہور کی جانب رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن تیسرے پہر انہوں نے لاہور پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ اس حملے میں مگ اور ہنٹر لڑاکا طیارے شامل تھے۔ اس طرح پاک فضائیہ اور بھارتی فضائیہ کے طیاروں میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ پاکستانی شاہینوں نے کچھ اس برق رفتاری سے جوابی کارروائی کی کہ دشمن کی جس فوج نے راوی کے جنوب میں جبڑ کے مقام پر پاکستان کے گھرے

ہوئے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا، اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ پاکستانی ہوا بازوں نے بھارتی طیاروں کو چیل کووں کی طرح گرانا شروع کر دیا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر صرف لاہور کے محاذ پر فضائی جنگ میں بھارت کے بائیس طیارے تباہ ہوئے۔ آٹھ سو بھارتی فوجی اور افسر تباہ کر دیئے گئے۔ بے شمار سامان جنگ کی تباہی کے علاوہ بہت سا جنگی سامان چھوڑ کر بھارتی سورما دم دبا کر بھاگنے لگے۔ اس سلسلہ میں بڑی ہی دلچسپی کی بات یہ ہے کہ عوام خندقوں اور پناہ گاہوں میں چھپ کر جان بچانے کی بجائے بازاروں میں نکل آئے اور مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر فضائی جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے۔ جیسے وہ میلہ چراغاں میں جو محاذ جنگ کے قریب ہی لگتا ہے شالامار کی کھلی فضا میں پتنگوں کے پیچ لڑنے کا تماشہ دیکھ رہے ہوں۔ اور انہیں حریف کے کنکووں کے کٹ جانے کا پورا پورا یقین ہو۔ یہ یقین قطعاً بیجا ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ یکے بعد دیگرے دشمن کے طیاروں پر طیارے گر کر ڈھیر ہونے لگے اور کھلنڈرے شہری انہیں دوڑ دوڑ کر لوٹنے کی بازی لگانے لگے۔ ان ٹوٹے ہوئے جہازوں کے کل پرزے خوش قسمت شہریوں کے لئے ایک قیمتی یادگار بن گئے۔ کثرت و قلت اور جنگ مغلوبہ کی اسی مناسبت کی بنا پر جنگ لاہور کا مقابلہ غزوۂ احد سے کیا گیا ہے جو ہر اعتبار سے صحیح و مناسب ہے۔

اس روز لاہور کے شہریوں نے اچانک حملے کے مقابلے میں پامردی، مستقل مزاجی اور صبر و سکون کا جو نمونہ پیش کیا اس کے سامنے اسٹالن گراڈ کے شہریوں کا عزم و استقلال بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ خود اہل شہر ہزاروں کی تعداد میں جو چیز بھی ہاتھ آئی لے کر محاذ پر چل پڑے اور فوج نے انہیں بڑی مشکل سے پیچھے لوٹایا کہ جدید جنگ

ایسے ہتھیاروں سے نہیں لڑی جاتی۔ البتہ ان کا حوصلہ و ہمت، جوانمردی اور یہ احساس کہ ساری قوم پاک افواج کے ساتھ اور جنگ میں ان کے ساتھ شریک ہے، ان کی زبردست پشت پناہی کرے گی اور ان کی قوت و طاقت کو ہزار درجہ بڑھا دے گی۔ لاہور ہی وہ محاذ ہے جہاں صرف ایک سو جانبازوں نے دشمن کے پورے ایک بریگیڈ اور بکتر بند دستے کو متواتر نو گھنٹے تک ایک انچ آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور اس طرح وطن مقدس کی حرمت کے لئے جنگ لڑنے والے مجاہدوں نے ایک زندۂ جاوید کارنامے کو جنم دیا۔

واہگہ سیکٹر پر بی آر بی نہر۔ وہ نہر جو دشمنوں کے خون سے گلنار ہو کر جوئے آب کی بجائے جوئے خون بن گئی۔ اور ہماری فتح میں محد ہونے کی بنا پر "غازی نہر" قرار دی جانے لگی۔۔ سے آگے کے پاکستانی ہراول دستے نے بھی بڑھتے ہوئے دشمن کا سامنا کیا اور اسے مار بھگایا۔ ان جانبازوں کی خندقوں کے قریب گہرے گڑھے دشمن کی زبردست گولہ باری کی یادگار ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے مورچوں میں ڈٹے رہتے ہیں۔ وہ تو صرف اپنے وطن کی حفاظت کے لئے دلیرانہ جنگ کرنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ جن لوگوں کو بچشم خود میدان جنگ کے حالات دیکھنے کا موقع ملا ہے ان کا بیان ہے کہ یہ بلا کے دلیر لوگ خندقوں میں اس طرح ہنستے کھیلتے داد جنگ دیتے گویا یہ رزم نہیں بزم ہو اور وہ بڑے مزے سے کوئی کھیل کھیل رہے ہوں صرف یہی نہیں بلکہ قرون اولے کے غازیوں اور مجاہدوں کی طرح۔ آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز۔ تو ہمارے کچھ جیالے سپاہی تو واقعی قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوتے اور نماز ادا کرتے۔ جیسے ان کے ارد گرد کچھ بھی نہ ہو رہا ہو اور باقی دشمن کا زور

شور سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے۔ اس طرح ہمارا معمولی سپاہی بھی اورنگ زیب نظر آتا تھا جس کا مقابلہ محاصرہ کابل کے دوران تیر و تفنگ کی بوچھاڑ میں مصلّے بچھا کر نماز ادا کرنا مشہور ہے۔ بلاشبہ لاہور کے معرکۂ کارزار میں ہمارا ہر سپاہی، ہر مجاہد اسی جذبۂ ایمانی سے سرشار تھا جس نے دشمن کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ اور اس کی دندناتی ہوئی توپوں کا منہ موڑ دیا۔ ان کے لئے آرام و آسائش کی کسی چیز کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ دشمن ہمارے جوانمردوں کی زبردست ضربوں سے پریشان ہو کر بار بار اپنی فوجوں میں رد و بدل کرتا اور تازہ دم دستے اور نئی کمک آگے لاتا۔ لیکن ہر بار اسے بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنا پڑتا۔

حوالدار شریف نے اپنی ایک ہی مشین گن سے زاویہ بدل بدل کر اس طرح فائرنگ کی کہ دشمن سمجھا وہ مشین گنوں کے مضبوط مورچے کی زد میں آ گیا ہے اور فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس جری حوالدار نے دشمن کی ایک توپ پر قبضہ کر کے اسے دشمن ہی کے خلاف استعمال کیا۔

کرنل مرزا نے ایک پُل کی حفاظت کرتے ہوئے دشمن کے ایک پورے ٹینک اسکوارڈن کو تباہ کر دیا۔ اس پل پر دس روز میں دشمن نے ۲۰ بھرپور حملے کئے۔ لیکن اس کو ہماری مقدس سرزمین کے ایک انچ پر بھی قدم نہیں جمانے دیئے گئے۔

اس جنگ کے اوّلین طارق میجر شفقت بلوچ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے دشمن کو سب سے پہلے للکارا۔ اور اسے ایسے ناکوں چنے چبوائے کہ اب وہ کبھی ادھر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے گا۔ ۶ ستمبر کو صبح تین بجے انہیں سگنل ملا کہ وہ اپنی کمپنی کے ہمراہ محاذ کی جانب روانہ ہو جائیں۔ لیکن مورچے کھودنے سے قبل ہی دشمن

نے آ لیا۔ دشمن پورے ایک بریگیڈ پر مشتمل تھا۔ اس کے مقابلے میں ایک معمولی کمپنی کیا اہمیت رکھتی تھی۔ لیکن جن کے دلوں میں مر مٹنے کی تمنا ہو ان کے سامنے طوفان بھی آتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔

دشمن کے ٹینک شور مچاتے آگے بڑھتے آ رہے تھے۔ دشمن کو روکنے کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی طاقت نہ تھی۔ لیکن پاک جانبازوں کے اس ہراول دستے کو پہلی دفاعی لائن کی حیثیت سے اپنی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا۔ انہوں نے فائرنگ کا فیصلہ کر لیا، بالکل آمنے سامنے مقابلہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے تین ٹینکوں کے پرخچے اُڑ گئے۔ کہاں وہ طوفانی لشکر اور کہاں یہ مختصر سی فوج جو عام حالات میں سرحد پر گشت لگانے کے لئے ہی کافی ہو سکتی تھی۔ مگر دشمن کی طاغوتی طاقت دھری کی دھری رہ گئی ؎

کھنچی ہی رہ گئیں خوں ریز، خوں آشام شمشیریں
کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ پہ تصویریں

چشم زدن میں دشمن کی صفوں میں ابتری پھیل گئی۔ ایسی بڑی مار کھانے پر وہ بوکھلا گیا، اس کی پیش قدمی رک گئی اور وہ گھبرا کر منتشر ہو گیا۔ اس کامیابی نے کمپنی کمانڈر کے اعتماد کو مستحکم کر دیا کہ وہ پورے ایک بریگیڈ سے جنگ کر سکتا ہے۔ دشمن دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اور یہ حملہ بڑا ہی خوفناک تھا۔ ایک نہیں دو پہلوؤں سے بھرپور حملہ۔ مگر ہمارے جانباز ذرا بھی نہ گھبرائے۔ ان کی مختصر سی جماعت نے ایک پہلو کی پیش قدمی روک دی اور پورے قوت کے ساتھ دوسرے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اور پھر متواتر حملے شروع کر دیئے۔ لمحات گھنٹوں میں ڈھلتے چلے گئے۔ اور اس طرح اس چھوٹی سی جماعت نے برابر نو گھنٹے تک اس سیلِ عظیم کو روکے رکھا۔ جونہی دشمن آگے بڑھنے کی کوشش کرتا، اسے منہ کی کھانا پڑتی

کمپنی کا ہر فرد جذبۂ سرفروشی سے سرشار وطن کی اولین جنگ لڑ رہا تھا۔ ہر فرد برسرپیکار رہا۔ یہاں تک کہ سگنل موصول ہؤا کہ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ پوری قوم نے اس کارنامے پر تہہ دل سے خراج تحسین پیش کیا۔

اس سیکٹر میں ۱۸ دن اور ۱۸ رات دشمن کے حملوں کا بے پناہ سلسلہ جاری رہا۔ ان جوانمرد جانبازوں کی ہمت کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے مین روڈ۔ وہی جرنیلی سڑک جسے شیر شاہ سوری نے صدیوں پہلے تیار کیا تھا اور جو کتنے ہی لشکر کشوں کے علاوہ تہموار چغتائی کی بھی شاہراہ رہی اور انگریزوں کے زمانے میں گرانڈ ٹرنک یا جی ٹی روڈ کہلائی۔ تک پہنچنے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ ان دلاوروں کو آرام کی کوئی پرواہ تھی۔ وہ اس لئے لڑے کہ ان کی خندقیں ان کی اپنی سرزمین پر تھیں۔ اور یہی سرزمین تھی جس کے لئے انہیں اپنی جانیں قربان کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ خطہ جانبازوں کے کارناموں سے زندۂ جاوید ہو گیا۔ اور ہمارے وقار اور عظیم مستقبل کا سنگِ بنیاد ثابت ہو گا۔

جلے جل کر تجھے بھی چشم صورت بیں میں پروانے
فروزاں کر گئے وہ نام لیکن شمع خنداں کا

پاکستانی مجاہد جس محاذ پر لڑے پوری فاتحانہ شان سے لڑے۔ بقول غیرملکی نامہ نگاروں کے ۲۰ ستمبر تک ہندوستانی فوجیں اس محاذ پر پوری طرح ہمت ہار چکی تھیں۔ اور ان میں پاکستان کے خلاف لڑنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ پاکستانی فوجیں ہر جگہ اپنے مستحکم مورچے قائم کئے بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے میں مصروف تھیں۔ لاہور کے محاذ پر دشمن کے لاتعداد تباہ شدہ ٹینک اور فوجی گاڑیاں میدانِ جنگ میں بکھری پڑی تھیں۔ اس امر کا بین ثبوت کہ بھارت نے اس محاذ پر پاکستانی

جانبازوں سے بُری طرح شکست کھائی ہے۔ ہمارے جوان ایک کے بعد دوسری جنگ لڑتے اور دشمن کو پسپا کرتے ہوئے آگے بڑھتے۔ دشمن پاکستانی جانبازوں سے کئی گنا زیادہ طاقت ور تھا اور ڈھائی میل تک پاکستانی حدود میں گھس کر چلا آیا تھا۔ ہمارے جوانانِ تیغ بند کی بہادری اور جوانمردی کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اسے اسی روز مار بھگایا حالانکہ جنگوں کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال دستیاب ہو سکے کہ اس قدر کثیر التعداد حملہ آور فوج کو کتنے ہی دنوں میں بھی پندرہ بیس میل سے پہلے روک لیا گیا ہو۔ اگر ایسے حیرت انگیز واقعے پر جو معجزے سے کم نہیں، قومی تخیل، غیبی امداد کا سہارا تلاش کرے جیسا کہ ہمارے عوام تو کیا خواص نے بھی کیا، تو وہ چنداں تعجب انگیز نہیں۔

۷ ستمبر کو اہلِ لاہور نے پاک فضائیہ کے جانبازوں اور بھارتی فضائیہ کے طیاروں کے درمیان لڑائی دیکھی۔ دشمن کے لڑاکا طیارے لاہور پر حملہ کرنے آئے مگر ہمارے لڑاکا شاہینوں نے آناً فاناً دو حملہ آور طیاروں کو مار گرایا۔ لاہور کی فضا میں یہ لڑائی بڑی زوردار ہونے کے علاوہ دلچسپ اور حیرت انگیز بھی تھی۔ یہ فضائی جنگ دس ہزار فٹ بلندی پر ہو رہی تھی۔ لاہور کے منچلے شہریوں نے یہ جنگ مال روڈ کے اُوپر ہوتے دیکھی۔ اور دشمن کے ایک طیارے کو اپنی آنکھوں سے گرتے دیکھا۔ دوسرا طیارہ جلتا ہُوا بھارتی علاقے میں گر گیا۔ اور اس کا ہوا باز زندہ پاکستانی علاقہ میں اُتر پڑا۔ اُسے زمین پر پاؤں رکھتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ قریب ہی کھیتوں میں اپنے کام میں مصروف کسانوں نے اس طیارہ کو شعلوں میں لپٹا ہُوا زمین پر گرتے دیکھا۔ جب اہلِ لاہور نے گرتے ہوئے طیارے کو دیکھا تو وہ خوشی

سے دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے نعرے لگائے، تالیاں بجائیں اور تیز دھوپ کے باوجود مال روڈ پر دور دور تک تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔

اہل لاہور کو ہراساں کرنے کے لئے بھارت نے کیا کیا چالیں نہیں چلیں لیکن زندہ باد اہل لاہور! تم نے لاہور کو دشمن کے سفاک ہاتھوں سے بچا کر خود کو جاوداں کر لیا۔ ادھر محاذوں پر جنگ جاری تھی، ادھر بھارتی فضائیہ شہری آبادی اور ٹرینوں پر حملے کر رہی تھی۔ اس نے ۱۵ ستمبر کو لاہور سے ۲۵ میل دور نارووال سیکشن پر ایک مسافر گاڑی پر زبردست بمباری کی۔ جس سے بیسیوں مسافر شہید اور متعدد زخمی ہوئے۔ بھارتی بزدلی کی ایک اور شرمناک مثال۔

باٹا پور کا معرکہ لاہور کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ لاہور پر حملہ کرتے وقت دشمن نے تین طرف سے پیش قدمی کا منصوبہ بنایا تھا۔ پہلا بھینی پل، دوسرا برکی ہڈیارہ اور تیسرا واہگہ کی طرف سے باٹا پور کی سمت۔ برکی اور بھینی پل کے محاذوں سے دشمن شہر کے مضافات اور باٹا پور کی جانب سے اندرون شہر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ باٹا پور اس سیکٹر کا سب سے اہم محاذ تھا۔ یہ پُرامن شہری آبادی بھارت کی وحشیانہ بمباری اور گولہ باری سے بڑی طرح متاثر ہوئی۔ باٹا شوز فیکٹری اس وحشت و بربریت کی زندہ مثال ہے۔ یہ خوب صورت عمارت جس کی دیواروں پر ربڑ کا پلستر چڑھا ہوا تھا آج ویرانی اور شکستگی کا منظر پیش کرتی ہے۔ اور بھارت کی اس بزدلانہ ذہنیت کی آئینہ دار ہے کہ وہ افواج کا مقابلہ کرنے کی بجائے نہتے شہریوں کو وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنائے اور شہروں کو تاراج کرے۔

اس محاذ پر دشمن کی پیش قدمی کو جس جی داری سے روکا گیا وہ ہماری جنگی

تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔ ملت پاکستان اس معرکہ کو صدیوں فراموش نہ کر سکے گی۔ یہ معرکہ بھرپور جارحیت کے خلاف بلند حوصلہ مدافعت کی ایک عظیم مثال ہے۔ اس محاذ پر کل ایک سو دس جانبازوں کی ایک مختصر کمپنی نے مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے بھارتی فوج کے ایک پورے ڈویژن کو اس وقت روکا جب وہ جدید ترین ہتھیاروں سے آگ کی بارش کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ڈویژن صبح چار بجے حملہ آور ہوا۔ اور دن کے نو بجے باٹا پور کے نواح میں پہنچ گیا۔ ۱۵ ہزار کے لگ بھگ بہترین ہتھیاروں سے لیس مسلح فوج کے مقابلہ میں چند جوانوں پر مشتمل مجاہدین کی ایک جماعت تھی۔ غزوۂ احد کی طرح یہاں بھی بظاہر چند تنکے روکنے آئے تھے طوفاں کو۔ اب اس مختصر جماعت کے لئے لمحۂ آزمائش آپہنچا تھا۔ اس کے سامنے دو ہی راستے تھے، دشمن کی کثرت سے متاثر ہو جائے یا خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل کے خلاف صف آرا ہو۔ ایک طرف ذلت تھی، دوسری طرف باعزت موت۔ ان جوانمردوں نے اپنی قوم کے بلند کردار کے مطابق دوسرا ہی راستہ اختیار کیا۔ آزمائش کے اس لمحے میں وہ خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ظلم کے خلاف ڈٹ گئے اور دشمن کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔ انہوں نے اپنے ہلکے ہتھیاروں سے دشمن پر گولہ باری شروع کر دی اور اس کی فرعونی قوت کو للکارا۔ وہ حق و انصاف اور عظمت وطن کے لئے سینہ سپر ہوئے تھے۔ خدا نے ان کی لاج رکھی۔ ان کے گولے عین نشانوں پر لگ رہے تھے۔ اور انہوں نے صرف ۱۵ منٹ میں دشمن کے پانچ سو سپاہیوں کو بھون کر رکھ دیا۔ اُس کے ہتھیار ناکارہ کر دیئے گئے اور وہ بوکھلا اُٹھا۔ اس کی پیش قدمی رک گئی۔ دشمن نہر کے پل تک پہنچنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے ٹینک گڑگڑاتے

ہوئے بار بار آگے بڑھنے کی کوشش کرتے لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے پاؤں وہیں کے وہیں جم کر رہ گئے۔ ایک ٹینک پل کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن یک وقت گئی گولے جانبازوں کی توپوں سے نکل کر ٹینک پر لگے اور وہ ناکارہ ہو گیا اور پورس کے ہاتھی کی طرح بجائے خود ایک رکاوٹ بن گیا۔ اس سے پیشتر کہ دشمن اس ٹینک کو پرے ہٹاتا، مزید دو ٹینک برباد کر دیئے گئے۔ صبح سے دوپہر تک دشمن نے تین مرتبہ پل پر حملہ کیا۔ لیکن ہر مرتبہ سرفروشوں کی اس مختصر سی جماعت نے اسے بھاری نقصان پہنچا کر پیچھے دھکیل دیا ۔ دشمن کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح پل کو پار کر کے پاک افواج کو اپنے پیل پیکر، شکتی مان، چرچل، شرمن اور سنٹورین ٹینکوں سے کچل دے۔ لیکن ہمارے ایک جانباز نے اپنی جان پر کھیل کر پل کو، بار بار کوشش کرنے کے بعد، آخر کار بھک سے اڑا دیا اور خود بھی جاں بحق تسلیم ہؤا۔ جرأت اور جانبازی کی ایسی مثال تاریخ کے صفحات میں کم ہی دستیاب ہوتی ہے۔ آگ اور دھوئیں کے دل کے بادل اور بے پناہ طوفان میں پل تک پہنچنا ناممکن تھا۔ ایک معجزہ۔ چہ جائیکہ وہاں پہنچ کر اس پل کو جو بے حد سخت جاں تھا۔ اور جسے اڑانے کی ایک دو کوششیں ناکام ہو چکی تھیں اڑا دیا جائے، لیکن ہمتِ مرداں نے یہ کام بھی آسان سے کر دیا۔ اور پل کے ساتھ دشمن کی امیدیں بھی شکست پا گئیں! آج پوری قوم کی دعائیں نعمت علی شہید کے ساتھ ہیں جس نے اپنی جان دے کر اس کٹھن مہم کو سر کرنے کی کوشش کی اور جس کی شہادت نے ایک اور سر بکف غازی میجر آفتاب احمد کو تحریک دلائی کہ وہ اس کام کی تکمیل کرے۔ غرض شام تک پل توڑ دیا گیا۔ دشمن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کے لئے آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہو گئے۔ ایک ہی دن میں ایک ہزار کے قریب بھارتی فوجی جہنم واصل ہوئے

تھے۔ اس طرح ہمت مرداں مدد خدا کے مطابق لاہور کا دیار عظیم بچ گیا۔ دشمن آج بھی وہاں جھک مار رہا ہے بلکہ وہاں سے کتنا ہی دور اپنے زخم چاٹ رہا ہے جہاں سے وہ چوروں کی طرح رات کی تاریکی میں سیندھ لگانے آیا تھا۔

اسی طرح دشمن نے لگاتار کئی دفعہ بھرپور حملے کئے لیکن ہر معرکہ میں اسے ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی۔

واہگہ اٹاری سیکٹر میں حق و باطل کا جو میدان کارزار گرم ہؤا وہ بھی تاریخ میں ایک سنہری باب کی ترتیب کے لئے بنیادی عنصر ثابت ہو گا۔ بھارت نے حملہ کرتے وقت اپنے دیو پیکر ٹینکوں پر بھروسہ کیا۔ اس کے برعکس ہماری جری افواج نے دفاع کے لئے اپنے توپ خانے کو نہایت مؤثر انداز میں استعمال کیا۔ بھارت کے وہ ٹینک جن کے بل بوتے پر اس نے بزدلانہ حملہ کیا تھا، انہیں چند ہی مناسب جگہوں پر نصیب کی ہوئی گولہ انداز توپوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ جن کی تیز تیکھی گولی لوہے کی چادر کو پار کر کے ٹینک کے اندر جا پھٹتی ہے اور ٹینک کے ساتھ اس کے آہن پوش سورماؤں کو بھی پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ بڑے بڑے عظیم الجثہ ٹینک پلک جھپکنے میں بیکار ٹکڑوں کا ڈھیر بن گئے یا پگھل پگھل کر جلے بھنے ہاتھیوں کا کالا سیاہ پنجر بن کر رہ گئے۔ بھارتی ٹینکوں اور پاکستانی توپوں کی اس جنگ میں فتح کا سہرا ہماری توپوں کے سر رہا۔ ایک توپچی نے تو مقررہ حد سے سینکڑوں گز آگے صحیح نشانہ مار کر حملہ آور ٹینکوں کو تباہ کر دیا۔ اسے جب دشمن کے مقابلہ میں توپ چلانے کا موقع ملا تو وہ فرطِ مسرت سے ناچنے لگا۔ اس نے بجلی کی سی پھرتی سے مورچہ سنبھال کر دشمن پر جہنم کے دروازے کھول دیئے۔ اس موقع پر توپچیوں نے بھی بلا کی چابکدستی اور ذہانت دکھائی۔ اور بابر کے مشہور توپچی رومی خاں

نیز گاردی خاں جیسے ماہر گولہ انداز کی یاد تازہ کردی۔ جنہوں نے اپنی ماہرانہ گولہ اندازی اور چاندماری سے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

بھینی پل کے محاذ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ صرف ایک توپ نصف محاذ کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ اس توپ نے جس تیز رفتاری سے گھوم گھوم کر گولہ باری کی، اس کے ذکر ہی سے ہمارے نوجوانوں کی آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔ ہماری توپوں نے ٹینکوں کو موم کے پتلوں کی طرح پگھلا کر رکھ دیا۔ اسی طرح جس طرح ابابیلوں کے برسائے ہوئے کنکروں کی بے پناہ بوچھاڑ نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو گھن کھائی لکڑی کی طرح بنا دیا تھا۔ آج میدان میں بکھرے ہوئے ٹینک زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ سامانِ جنگ جذبۂ سرفروشی کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ پاکستانی فوجوں کی اس بہتر صلاحیت اور کارکردگی کا غیر ملکی مبصرین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ اور اسے پاکستان کی کامیابی کا سبب قرار دیتے ہوئے بھارتی افواج کی نااہلی کو ان کی ناکامی کا باعث قرار دیا ہے

۶ ستمبر کے تاریخی دن جب بھارتی فوج نے واہگہ کا رُخ کیا تو وہاں اس کا سامنا پاکستان کے اُن سو جانبازوں سے ہُوا جن کی قیادت شہید میجر عزیز بھٹی جیسا دلیر اور جری قائد کر رہا تھا۔ اس نے دشمن کے ایک پُورے بریگیڈ کو چھ دن تک ایک انچ آگے نہیں بڑھنے دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے یہی کہتے "دوستو! ہم وطن کی خاطر جان کی بازی لگا دیں گے لیکن دشمن کو ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔" وطن کے یہ جیالے ایک ایک کر کے شہید ہوتے چلے گئے مگر ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اسی کارنامۂ عظیم کی بنا پر میجر شہید کو "نشانِ حیدر" کا اعزاز دیا گیا ہے۔ اور اب ان کے اعزاز میں راولپنڈی کے مغل آباد کے علاقے میں ان کے مکان کے نزدیک ایک پوری بستی کو "بھٹی آباد" کا یادگار نام عطا کیا گیا

ہے ۔مرحوم برکی کے علاقے میں پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔اگرچہ ان کی دو پلٹنیں راوی ، بیدیاں کی نہر سے چھ گز کے فاصلے پر تھیں ۔ لیکن انہوں نے اپنی کمپنی کی قیادت خود کرنے کے لئے برکی میں اگلی پلٹن کے ساتھ رہنا پسند کیا ۔ دشمن نہر پر حملہ کرنے سے قبل برکی پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا ۔ اس لئے اس نے ایک ڈویژن فوج ، توپ خانہ اور ٹینکوں کی مدد سے حملہ کیا ۔ لیکن چھ بار بھرپور حملوں کے باوجود وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا ۔ میجر بھٹی اپنی جان کی پروا کئے بغیر اپنے جوانوں کو پورے عزم و ہمت سے دشمن کے مقابلے کے لئے ابھارتے رہے ۔ ستمبر کی ایک رات کو دشمن نے پورے سیکٹر پر زبردست حملہ کیا ۔ جنگی حکمت عملی کے پیش نظر میجر بھٹی کو حکم دیا گیا کہ وہ بیدیاں راوی نہر کے کنارے سے ہٹ کر بائیں کنارے پر آجائیں ۔ دشمن کا حلقہ تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا ۔ میجر بھٹی جب مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے پتن پر پہنچے تو دشمن نے انہیں للکارا کہ اس علاقے پر ان کا قبضہ ہے ۔ لہٰذا اس علاقے سے دشمن کا صفایا کرنا ضروری تھا ۔ میجر بھٹی نے اپنی صفیں درست کیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے ۔ ان کے پاس صرف ایک اسٹین گن تھی ۔ یہ حملہ اتنا بھرپور اور کامیاب تھا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے ۔ انہوں نے اپنے جوانوں اور گاڑیوں کو نہر کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا ۔ اور خود اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اس وقت تک دشمن پر فائرنگ کرتے رہے جب تک کہ ان کا آخری ساتھی بھی نہر پار نہ کر گیا ۔

نہر کے دوسرے کنارے سے وہ پورا ایک دن اور ایک رات دشمن پر گولہ باری کرتے رہے ۔ اور اس کا حملہ پسپا کر دیا ۔ نو ہیں سے وہ دشمن کی نقل و حرکت پہ

پوری نظر رکھتے تھے۔ ۱۲ ستمبر کو انہوں نے سگنل دیا اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کے بڑھتے ہوئے دو ٹینکوں کو تباہ کر دیا۔ جونہی انہوں نے دشمن کے دو ٹینکوں کی تباہی کے بعد پیادہ یونٹ کو دیکھا تو فائرنگ کا حکم دیا۔ اچانک بین بر کی روڈ پر دشمن کے دو ٹینک نظر آئے۔ جوابی کارروائی میں ایک ٹینک تباہ کر دیا گیا۔ انہیں ہدایت دی گئی تھی کہ وہ احتیاطاً پیچھے پلٹ آئیں اور خواہ مخواہ خطرہ مول نہ لیں لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ دشمن کو شکست دینا اور سب باتوں یہاں تک کہ جان کی سلامتی پر بھی مقدم تھا۔ اس لئے وہ برج سے باہر کھڑے برابر دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہے تاکہ اسے تہس نہس کر دیا جائے۔ ان کے سپاہی بھی انہیں پیچھے رہ کر ہدایت دینے اور خود آگے بڑھنے کی التماس کرتے رہے لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی یہاں تک ان کا ایک بازو زخمی ہو گیا۔ اس کے باوجود وہ برابر ڈٹے رہے اور بالآخر دشمن کا جو دوسرا ٹینک چلا آ رہا تھا انہیں اس کا گولہ آن لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے اپنی جان مادرِ وطن کی نذر کر دی۔ یہ عظیم قربانی فی الحقیقت نہایت کارآمد ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کی بدولت جانبازوں کے محاذ پر پورا پورا قابو پا لیا۔

اس طرح پاک فوج کے جوانمردوں نے وطن پر جانیں نثار کر کے لاہور کو دشمن کے نرغے سے بچا لیا۔ دوسری طرف اہل لاہور نے جو لازوال قربانیاں دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے بھارت کے زبردست جارحانہ حملے سے پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال کا سامنا جس صبر و سکون، دلیری، خود اعتمادی اور جرات سے کیا وہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس تاریخی شہر کے باشندے پوری قوم کی جانب سے خراج تحسین کے حقدار ہیں۔ اور صدر کے الفاظ میں "لاہور کے بہادر

لوگ" نہ صرف صدرِ مملکت بلکہ پوری قوم کی طرف سے تحسین کے مستحق ہیں۔

لاہور کے گلی کوچوں اور بازاروں میں صبح و شام ایسے ولولہ انگیز مناظر دیکھنے میں آئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ عوام نے جس جوش و خروش کے ساتھ اپنی مسلح افواج کے دوش بدوش جنگ لڑنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ جس انداز سے چھوٹوں بڑوں، عورتوں مردوں نے محاذوں پر جاتے ہوئے فوجی دستوں کا استقبال کیا، ان کی حوصلہ افزائی کی، پُرجوش الفاظ میں انہیں خدا حافظ کہا۔ اور جس والہانہ انداز سے ہسپتالوں اور بلڈ بینکوں میں خون کے عطیات پیش کئے انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایسی وطن پرست اور سرفروش قوم پر فتح پانے کی خواہش ایک احمقانہ خواب کے سوا اور کچھ نہیں۔

خون جمع کرنے کے مراکز پر ہر وقت ہجوم رہتا۔ اور اکثر و بیشتر کو بہ حسرت واپس جانا پڑتا۔ وہ مجبوراً اپنا نام لکھوا کر لوٹ جاتے۔ تاکہ دوسرے روز خون پیش کر سکیں۔ یہ عوام کے جذبۂ ایثار کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ ان لوگوں میں ہر شعبۂ زندگی کے لوگ شامل تھے۔ پہلے چھ روز میں اتنا خون جمع ہو گیا کہ گزشتہ تین سال میں جمع ہونے والے خون کی سالانہ شرح سے کہیں زیادہ تھا۔ خون محفوظ رکھنے کے لئے بے شمار لوگوں نے اپنے ریفریجریٹر پیش کر دیئے۔ دفاعی فنڈ میں لاہور کے عوام نے جس جوش و خروش سے عطیات دیئے ہیں وہ ان کے جذبۂ حب الوطنی کے آئینہ دار ہیں۔ لاتعداد لوگوں نے اپنی آدھی تنخواہیں دفاعی فنڈ کے لئے وقف کر دیں۔ مقامی دفتر ہلال احمر میں بہادر فوجیوں کے لئے تحائف کے انبار لگ گئے۔

شہر میں کاروبارِ حیات معمول کے مطابق جاری رہا۔ یونیورسٹی، کالج، کاروباری ادارے اور سرکاری دفاتر کھلے رہے۔ اور عام حالات کے مقابلے میں زیادہ کام کیا گیا۔

زندہ دلان لاہور اپنی زندہ دلی اور سرفروشی کیلئے مشہور رہیں۔ اور آج بھی وہ بھارت کے جھوٹے پروپیگنڈے کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اسی شہر کے لوگ ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہیں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ اور آج یہی لوگ وطن کی سرحدوں کے سچے اور جاں نثار محافظ ہیں۔ پوری قوم کو ان پر فخر ہے۔

جنگ کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا جب لاہور کے متعلق تشویشناک خبریں سننے میں آئیں۔ سرحد سے لاہور کا فاصلہ ہی کیا ہے۔ صرف باٹا پور ہی کیا پورا لاہور دشمن کی توپوں اور طیاروں کی زد میں ہے۔ جتنا ہی کوئی علاقہ، بستی یا مقام سرحد کے قریب ہے اتنا ہی زیادہ معرض خطر میں تھا۔ شالامار ہماری عظمت رفتہ کی وہ خوبصورت علامت اور مغلیہ جاہ وجلال کا مرقع۔ ایک سفاک اور تہذیب دشمن کی وحشیانہ تباہ کاری اور دشت غارت گری سے زیادہ دور نہیں۔ اس کے سرو وسمن، اس کے صنوبر وشمشاد، اس کی خوبصورت بارہ دریاں، اس کی مرمریں شہ نشین اور نفیس برجیاں براہ راست اس کی زد میں تھیں۔ اس کے تیز رفتار بمبار شالامار سے لے کر شاہدرہ تک ہماری تاریخی عظمت کے ہر گراں قدر نقش کو برباد کر سکتے تھے خواہ وہ شاندار کے بے مثال مقبرے ہوں۔ آخر شہسوار چغتائی شہنشاہ جہانگیر اور اس کی ملکہ نورجہاں کی آخری آرامگاہوں سے کتنی دور ہیں یا مقدس عمارات۔ بادشاہی مسجد، مسجد وزیرخاں، موتی مسجد، دربار صاحب یا قوم کی شان جلالی کا مظہر جیسے قلعہ لاہور اور قومی عظمت کے تازہ مظاہر جیسے مزار اقبال اور عجائب گھر۔ لیکن اس دیار عظیم کی شان جلالی اور اس کے مکینوں کی شان کبریائی ہی تھی۔ جس نے دشمن کو مد دہر دیار لے کر آنے کے باوجود یہ ہمت نہ دلائی کہ وہ اس پر نظر ڈال کر بھی دیکھ سکے یا معمولی

نقصان بھی پہنچا سکے۔ وہ اپنے ترستے ہوئے دل۔ اپنی حسرت خیالی اور مرعوب خاطر غلط بیانی، دروغ بافی اور لاف زنی کے باوجود اس دعوے کی تصدیق نہ کر سکا کہ لاہور کی ہوائی فضا تمام تر اس کے اختیار میں ہے۔ لاہور کے رعب وجلال کی آب و تاب اس کے طرمن آرزو پر برق جہاں سوز بن کر گری اور وہ بھارت کی فوجوں اور ان کے غیر ملکی ساز وسامان کی طرح بھسم ہو کر رہ گیا ؎

اے لبا آرزو کہ خاک شدہ!

یہ وہ حالات ہیں جنہوں نے ہمارے شاعروں اور ادیبوں یعنی قلمی سپاہیوں کی زبان سے بھی بہت کچھ کہلوایا ہے۔ نیم شب یا آخر شب غنیم کے درود دزدانہ کو پھنکارتے ہوئے سانپوں کی رینگتی بلغار کی شکل میں جس طرح صفدر میر نے "لاہور کو سلام" میں پیش کیا ہے۔ اور اس کے بچوں، بوڑھوں، ناتوانوں سب پر ظلم ناروا کی کیفیت بیان کی ہے انیس ناگی نے جس طرح اس دیار علم وحکمت اور تہذیب وتمدن کے ساتھ گہری دل بستگی کا اظہار کیا ہے مختار صدیقی نے جس طرح "شب و روز" میں اپنے شب و روز کی اہمیت صرف یہ قرار دی ہے کہ وہ دشمن کے بزدلانہ حملے کو پیغام شکست دے سید جعفر طاہر نے جس طرح بھر دیلی کے کارنامہ اور تنی سن کے لائٹ بریگیڈ سے کہیں بڑھ چڑھ کر کارنامہ کی داد دی ہے جس میں صرف ایک سو جری سپاہیوں نے پورے ڈویژن کا مقابلہ کیا اور دوسرے بے شمار نے اس تاریخی شہر اور اس کے دیوانگان شوق کی تعریف میں ولولہ انگیز گیت گائے ہیں وہ اس تاریخی کردار کا بجا اعتراف ہیں جو اس دیار بزم و رزم نے ہماری نوزائیدہ ملت کی تاریخ کے اس نازک ترین موقع پر ادا کیا ہے۔ اور جو اس کی زندگی کا زریں باب ہے۔

لاہور عظیم لاہور، مسعود سعد سلمان۔ وارث شاہ اور اقبال کا لاہور، دانش

دحکمت اور تاریخ و تہذیب کا مولد و منشا لاہور، زندہ دلان پنجاب کا لاہور، تحریک پاکستان کا لاہور، جدید سے جدید تر اور تازہ سے تازہ تر علمی، ادبی، ذہنی ثقافتی اور دینی تحریکات، کا منبع و مخرج لاہور، قطب الدین ایبک، اکبر اعظم، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کا لاہور۔ رفتہ و موجودہ اور آئندہ عظمتوں کا لاہور، پاکستان کا دل لاہور، کیا یہ ہم میں سے کسی کے دل میں بھی کیف واحساس کی وہی لہریں نہیں پیدا کرے گا، جنگ کے دوران میں اس کے متعلق پریشان کن خبریں سن کر پاکستان کے دل لاہور کے بارے میں ایک لاہور پرست کے دل میں پیدا ہوئیں

لشکدا ادار اوہو - جھکے شالامار اوہو — شہد وے دے یار اوہو
داتا دا دربار اوہو - چٹے دودھ منار اوہو — ٹہکدے انار اوہو
تیرے جان نثار اوہو، تیرے شہر دار اوہو — جیندے پہرہ دار اوہو
ستے شہر بار اوہو - سب زندہ دار اوہو

زندہ دل شہری جنہاں آنڈیاں لوں گھیریا
لاہور شہر میریا ، لاہور شہر میریا

تیری چہل پہل اوہو تیری ریل پیل اوہو — ہیندی سدا ویل اوہو
وگدیاں چوراہیاں تے خلقتاں دا میل اوہو — دلاں دی کھیل اوہو
نویکلیاں پہاڑیاں تے موتیا روبیل اوہو

پھلاں نال گناں نوں تھاں تھاں بکھیریا
لاہور شہر میریا ، لاہور شہر میریا

اور ابھی اس جراحت کی طرح یہ حکایت بھی تازہ ہے۔ ہم اس جنگ سے بہت قریب ہیں۔ ابھی پاکستان کی تاریخ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں۔ اس لئے ہم نہ اس واقعہ، نہ جملہ واقعات، نہ اس کے کارناموں اور نہ اس کے مایۂ ناز کردار وں کے کارہائے نمایاں کو اس تاریخ کے پس منظر میں دیکھ سکتے ہیں جو سالہا سال کے بعد مرتب ہو کر پردۂ تصویر کو زیادہ جامع بنائے گی۔ اس وقت یہ جاری تاریخ کا سب سے بڑا سنگ میل، ہماری حیات ملیہ کا مرکزی نقطہ قرار دیا جائے گا۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ اندھیرے اُدھر رہ گئے اور اجالے ادھر۔

لاہور اور سیالکوٹ۔ دونوں اقبال کے شہر۔ پاکستان کی علامات ہمارا کوکب تقدیر بن کر ہمارے ساتھ ہیں۔ یہ مقدر انہیں سے وجود میں آیا اور انہیں کے ساتھ باقی رہے گا۔ یہ وہ شہر ہیں جنہوں نے ایک تاریخی اور غیر فانی کھیل کھیلا۔ پاکستان انہی کی بدولت زندہ و سلامت رہا اس کی حفظ و بقا کی جنگ انہی باہمت شہروں نے لڑی اور یہی ہمیشہ اس کی سطوت کا نشان پائدار رہیں گے۔

دسمبر ۱۹۶۵ء

شائع کردہ

ادارہ مطبوعات، پاکستان۔

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۳، کراچی